Greetings and Welcome,

Our mission is to upload 1,001 Free Urdu Novels by 2010. You can help us by

(1) Composing some pages of the upcoming Novels

(2) Emailing this Novel to your 50 friends.

For more details please visit now: **www.1001Fun.com**

:: Our Special Thanks to ::

www.OneUrdu.com
www.PakStudy.com
www.UrduArticles.com
www.UrduCL.com
www.NayabSoftware.com

اردو پسندوں کو آداب اور خوش آمدید

ہمارا مشن دو ہزار دس **(2010)** تک ایک ہزار ایک **(1,001)** مفت اردو ناول آن لائن کرنے کا ہے۔ آپ اردو سے محبت کے اس مقدس مشن میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ ﴿1﴾ آئندہ ناول کے چند صفحات کی کمپوزنگ کر کے ﴿2﴾ یہ ناول اپنے پچاس **(50)** دوستوں کو ای میل کر کے۔ ﴿2﴾ مزید تفصیلات کے لیے ابھی وزٹ کیجیے۔

wwww.1001Fun.com

Respected Urdu Lover,

تاریخ شروع:06062008

تاریخ اختتام: 06062008

اسکیننگ:عامر جہاں

میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے

از

عمیرہ احمد

ناول کا آغاز

ایک آگ سی میرے وجود کو جلا رہی تھی۔ میں نے کار کا دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے اس بنگلے پر نگاہ ڈالی۔ وہ میرے بنگلے سے بڑا تھا۔ آگ بھڑکتی ہی جارہی تھی۔ کال بیل بجاتے ہوئے میں نے گھر کے مالک کا نام پڑھا۔ مجھے لگا، کسی نے مجھے دھکیل کر پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا ہو۔ شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

چند لمحوں بعد گیٹ کھول کر ایک چوکیدار باہر آیا۔ اس نے مجھ سے میرے آنے کا مقصد پوچھا تھا۔ میں اسے جواب دینے کے بجائے دروازہ دھکیل کر اندر چلی گئی۔ وہ میرے پیچھے آیا لیکن مجھے روک نہیں سکا۔ سامنے وسیع وعریض پورچ میں ایک بچہ سائیکل چلا رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر رک گیا۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ کسی نے میرے گلے میں پھندہ ڈال دیا۔ چہرہ شناسا تھا۔ آج زوال کا دن تھا۔ میں لپکتی ہوئی اس کے پاس گئی۔

تمہارا نام کیا ہے؟

ولید عمر۔ اس نے کچھ کنفیوز ہو کر جواب دیا۔ کسی نے پھندے کو کس دیا تھا۔

تمہاری امی کہاں ہیں؟ میں نے رکتی ہوئی سانس کے ساتھ پوچھا۔ اس نے ہاتھ سے میری پشت کی طرف اشارہ کیا۔ میں پیچھے مڑ گئی، ایک عورت لان سے میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر دوڑائی۔ چہرہ پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ سب کچھ شناسا تھا۔ کسی نے میرے پیروں کے نیچے سے تختہ نکال لیا۔ میں پھندے سے جھولنے لگی تھی۔ اس نے

دوبارہ مجھ پر نظر نہیں ڈالی۔ وہ میرے پاس سے گزر کر اپنے بیٹے کے پاس گئی اور اسے لے کر اندر چلی گئی۔ میں بھاگتی ہوئی گیٹ سے باہر آ گئی۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے اندر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ دنیا ختم ہو گئی تھی۔ سب کچھ تباہ ہو گیا تھا اور میں..... میں زندہ تھی۔

☆

میں نے عمر حسن کو اتنا چاہا ہے کہ شاید کبھی کسی اور نے اسے نہیں چاہا ہوگا۔ اس کی ماں نے بھی نہیں۔ وہ میرے لئے میرے وجود کا حصہ تھا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ میں کبھی بھی اسے یہ بات نہیں بتا سکی تھی۔ وہ میری خالہ کا بیٹا تھا اور میرے چچا کا بھی۔ اس سے میرا دہرا رشتہ تھا۔ ہم دونوں کے گھر پاس پاس تھے اور گھروں میں آنا جانا بھی بہت تھا۔ میرے ابو بزنس مین تھے، اس کے ابو واپڈا میں سپرنٹنڈنٹ تھی۔ مالی لحاظ سے ہم ان سے بہت بہتر تھے بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ان کا اور ہمارا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود دونوں گھرانوں کے تعلقات بہت اچھے تھے، شاید وجہ وہ دہرا رشتہ تھا جو ہمارے والدین کے درمیان تھا بہرحال جو بھی وجہ تھی۔

ہم دونوں خاندان بہت قریب تھے۔ ہمارے گھروں کی دیواریں آپس میں ملی ہوئی

تھیں اور صحن میں دروازہ بھی تھا جو ہر وقت کھلا رہتا۔ ہم اسی دروازے سے ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے تھے۔ میری ایک بہن اور دو بھائی تھے اور عمر کی تین بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ وہ یونیورسٹی میں اکنامکس میں ماسٹرز کر رہا تھا۔ مجھے اس سے محبت کب ہوئی، میں نہیں جانتی۔ شاید کسی کو بھی یہ پتا نہیں چلتا کہ اسے محبت کب ہوتی ہے۔

ہاں مگر وہ مجھے بچپن سے اچھا لگتا تھا۔ وہ کوئی زیادہ خوبصورت نہیں تھا مگر اتنی عام صورت کا بھی نہیں تھا۔ لیکن اگر خوبصورتی کی بات آئے اور میں یہ کہوں کہ میں اس سے زیادہ خوبصورت تھی تو یہ غلط نہیں ہوگا اور نہ ہی آپ اسے خوش فہمی سمجھیں۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ دھیمے لہجے میں بات کرتا۔ اسے کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ بہت مہذب تھا اور پتا نہیں یہ سب باتیں کیوں میرے دل میں گھر کرتی گئیں۔ بچپن میں، میں ان کے گھر شاید اس کی بہنوں کے ساتھ کھیلنے جایا کرتی تھی مگر بڑے ہونے کے بعد صرف عمر حسن کے لئے جایا کرتی تھی۔ اسے دیکھے بغیر مجھے سکون نہیں ملتا تھا۔ میں دن میں بار بار ان کے گھر جاتی اور وہ بھی اس وقت جب وہ گھر پر ہوتا۔ پھر میں بہانے بہانے اس سے بات کرتی رہتی۔ اس کی پسند کے کھانے پکاتی اور بڑے اہتمام سے ان کے ہاں لے کر جاتی۔ تعلیم میں میری زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس لئے میں بمشکل ایف اے ہی کر سکی تھی اور اس کے بعد میں نے کالج جانا چھوڑ دیا لیکن گھریلو امور میں، میں ماہر تھی۔ اگرچہ ہمارے گھر میں ملازم تھے لیکن پھر بھی میں کھانا خود پکاتی اور پکانے کے اسی شوق نے مجھے کھانا پکانے میں ماہر کر دیا تھا۔

عمر کی امی میری پسندیدگی کو جانتی تھیں اور صرف وہی نہیں، میری امی بھی اس بات سے واقف تھیں اور انہوں نے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا۔ خالہ کئی بار اشاروں میں کہتی رہتی تھیں کہ وہ مجھے بہو بنا کر اپنے گھر لائیں گی اور میں اپنے لئے ان کی محبت سے واقف تھی۔ وہ میری امی سے بھی اس رشتے کے بارے میں بات کر چکی تھیں اور امی کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن عمر سے میری شادی کوئی زیادہ جلدی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ گھر میں سب سے بڑا تھا اور اس سے چھوٹی تین بہنیں تھی اور وہ تینوں جوان تھیں۔ خالہ کا خیال تھا کہ وہ کم از کم دو بیٹیوں کی شادی کر کے پھر عمر کی شادی کریں گی۔

عمر بی اے کے بعد سے ماسٹرز کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا سرجیکل کے آلات ایکسپورٹ کرنے کا چھوٹا موٹا بزنس شروع کیے ہوئے تھا اور بہت مصروف رہتا تھا۔ خالہ سے شادی کے بارے میں اس کے خیالات کا اکثر پتا چلتا رہا تھا۔

وہ کہتا ہے جب تک کاروبار صحیح طرح سیٹ نہیں ہو جاتا، میں شادی نہیں کروں گا۔ خواہ مخواہ کی ذمہ داری اٹھانے اور بڑھانے کا مجھے کوئی شوق ہے نہ ہمت۔

میں خالہ کے سامنے اس کی سوچ کی تعریف کرتی لیکن اندر ہی اندر میری اداسی بڑھتی جاتی۔ پھر بھی میں ان دنوں بہت خوش رہا کرتی تھی۔ زندگی کا ہر راستہ رکاوٹ کے بغیر تھا۔ عمر مجھ سے باتیں کر لیتا تھا بلکہ کافی باتیں کر لیتا تھا۔ مگر وہ سب باتیں عام سی ہوتی تھیں۔ مجھے اس کی نظروں، اس کی باتوں میں وہ جذبات دکھائی نہیں دیتے تھے جو میرے دل میں اس کے

لئے تھے۔ وہ بڑی عام سی باتیں کرتا تھا۔

: کباب بڑی اچھے بنائے ہیں، بناتی رہا کرو۔

آج چائے تم بناؤ کیونکہ چائے سے اچھی کوئی نہیں بناتا۔

ٹی وی ذرا کم دیکھا کرو۔ کوئی فائدہ نہیں ہے ان بے کار چیزوں کو دیکھنے کا۔

تم نے پلانٹس کو بہت اچھے طریقے سے رکھا ہے۔ پورے گھر کو خوبصورت بنا دیا ہے تم نے۔

اس کی کوئی بات بھی ایسی نہیں ہوتی تھی جیسی بشریٰ رحمان اور رضیہ بٹ کے ناولوں کے ہیرو کی ہوتی تھی۔ نہ وہ فدا ہو جانے والی نظروں سے دیکھتا تھا، نہ وہ میرا آنچل پکڑ لیتا تھا، نہ وہ میرے لئے چھتوں پر آتا تھا، نہ وہ میرے بالوں میں پھول لگاتا تھا، نہ وہ میرے لئے پھولوں کے گجرے لاتا تھا، نہ میرے حسن کے قصیدے پڑھتا تھا، نہ وہ میری کلائی پکڑ کر ہاتھ میں پہنی چوڑیاں توڑتا تھا، نہ وہ میرے لباس کے رنگوں کی تعریف کرتا تھا۔ پھر بھی میرا دل تھا کہ روز بروز اس کے عشق میں ڈوبتا گیا۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا، میں اسے سب کچھ کہہ دوں جو میرے دل میں اس کے لئے ہے۔ ہر دفعہ میں تہیہ کر کے اس کے گھر جاتی۔ اسے دیکھتے ہی سب بھول جاتی۔ وہ حال چال پوچھتا، کوئی نصیحت کرتا، کبھی کچھ کھانے کو دے دیتا اور میں بڑی خاموشی سے اس کی وہی پرانی باتیں سن کر واپس گھر آ جاتی۔ گھر آ کر میں جھنجھلاتی۔

کیا اسے نظر نہیں آتا کہ میری آنکھوں میں اس کے لئے کیا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ میں

اس کے گھر کس کے لئے جاتی ہوں؟ وہ آخر یہ سب کیوں نہیں سمجھ لیتا یہ پہیلی تو نہیں پھر آخر وہ یہ سب کیوں کرتا ہے۔ اتنا بے خبر، اتنا انجان کیوں بنا ہوا ہے؟ کیا مرد اتنا بے وقوف ہوتا ہے؟ کیا اس کا دل نہیں ہوتا؟

میں سوچتی اور کمرے کے چکر لگاتی رہتی۔ پانی پیتی اور اپنے اندر کی آگ کو بجھاتی رہتی۔ گہرے سانس لیتی اور اپنے غصے کو ٹھنڈا کرتی رہتی۔

☆

عمر حسن بے وقوف نہیں تھا اور اس کا دل بھی تھا۔ ہاں مگر یہ دل کسی اور کے پاس تھا۔ اسے میں اس لئے نظر نہیں آتی تھی کیونکہ کوئی پہلے ہی اس کی نظر میں آ چکی تھی۔ ثناء اس کی کلاس فیلو تھی۔ عمر کب سے اسے پسند کرتا تھا، یہ میں نہیں جانتی مگر وہ شروع سے ہی اس کے ساتھ پڑھتی تھی۔ دونوں کا ساتھ بہت پرانا تھا۔ ثناء کے والدین کسی کالج میں پڑھاتے تھے۔ وہ تین بہنیں تھیں اور وہ سب سے بڑی تھی۔ عمر نے کبھی کسی سے اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ وہ کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے مگر جب اس نے فائنل ایئر کے پیپرز دے دیئے تو پھر اس نے اپنی امی کو ثناء کے بارے میں بتایا تھا اور ان سے کہا تھا کہ وہ اس کا رشتہ لے کر ان کے گھر جائیں۔ خالہ نے اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ روتی دھوتی ہوئی ہماری طرف آ گئی تھیں اور انہوں

نے میری امی کو سارا قصہ سنا دیا تھا۔ میری امی کا ردعمل بھی خالہ جیسا ہی تھا مگر پھر وہ نارمل ہو گئیں تھی مگر مجھے ایسا لگا تھا جیسے میرے دل کی حرکت بند ہو گئی تھی۔

عمر حسن کسی اور سے محبت کرتا ہے۔ کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور میں؟ میرا کیا ہوگا؟ مجھ میں کیا نہیں تھا جو اسے مجھ سے محبت نہیں ہوئی۔

مجھے لگا تھا، کسی نے میرے وجود کو گہری کھائی میں دھکیل دیا تھا۔ میری امی کو تھوڑی بہت پریشانی ہوئی مگر پھر شاید انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا ہوگا کہ انہوں نے میرا اور عمر حسن کا رشتہ طے نہیں کیا تھا۔ صرف زبانی کلامی ہی بات ہوئی تھی ورنہ ان کی بہت بدنامی ہوتی۔ مگر انہیں کیا پتا تھا کہ تعلق دلوں میں بنتے ہیں اور عمر حسن سے میرا جو تعلق بن چکا تھا وہ اب کبھی بھی نہیں ٹوٹنا تھا۔

عمر خالہ کو بار بار مجبور کر رہا تھا کہ وہ اس کی بات مان لیں اور رشتہ وہاں لے کر جائیں لیکن خالہ سختی سے اپنی ضد پر قائم تھیں۔ عمر کے ابو کو اس رشتہ پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اگر کسی کو تھا صرف خالہ کو لیکن جب سب گھر والوں نے انہیں مجبور کرنا شروع کر دیا تو انہوں نے یہ بہانہ کرنا شروع کر دیا کہ کب تک تینوں بیٹیوں کی شادی نہیں ہوگی وہ عمر کی شادی نہیں کریں گی نہ ہی ابھی کہیں اس کی نسبت طے کریں گی۔ میں نے ان کے گھر آنا جانا کم کر دیا تھا مگر پھر بھی ان کے گھر کی ہر خبر کا مجھے علم ہوتا رہتا تھا۔ جب خالہ کسی طور بھی اس کا رشتہ لے جانے پر تیار نہیں ہوئیں تو عمر حسن ماں سے ناراض ہو گیا۔ اس نے ان سے بول چال ختم کر دی تھی۔ وہ ان دنوں

ویسے بھی اپنا کاروبار اچھی طرح اسٹیبلش کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور بہت مصروف ہوتا تھا لیکن ماں سے ناراض ہونے کے بعد وہ گھر میں صرف سونے کے لئے آیا کرتا۔ اس نے گھر میں کھانا، کھانا بھی بند کر دیا تھا۔

خالہ ہر روز ہمارے گھر آتیں اور کئی کئی گھنٹے اس کی شکایتیں کرتی رہتیں مگر میں جانتی تھی، یہ صرف شکایتیں نہیں تھیں۔ وہ اس کے رویے سے بے حد پریشان تھیں۔ آخر وہ ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور پھر کماؤ بھی۔ انہوں نے اپنی تینوں بیٹیاں اسی کے سہارے بیاہنی تھیں۔ کیونکہ میرے چچا کی ریٹائرمنٹ میں بس ایک سال رہ گیا تھا۔ انہیں یہ بھی خوف تھا کہ کہیں وہ گھر چھوڑ کر ہی نہ چلا جائے اور اگر وہ ایسا کر بیٹھتا تو پھر وہ کیا کرتیں۔ روز بروز خالہ کمزور پڑتی جا رہی تھیں۔ ان کی ضد ختم ہو رہی تھی اور ان کی کمزوری مجھے بھی کمزور کر رہی تھی۔ یہ سوچ کر ہی میرا سانس رکنے لگتا تھا کہ کوئی اور لڑکی اس گھر میں عمر حسن کی بیوی بن کر آ جائے گی اور میں، میں کیا کروں گی۔ ان دنوں میں بہت دعائیں مانگتی رہتی تھی۔ شاید میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی دعائیں نہیں کی ہوں گی جتنی میں نے ان دنوں کی تھیں مگر کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

ایک ہفتہ بعد خالہ ثناء کا رشتہ مانگنے چلی گئیں تھیں اور ثناء کے گھر والوں نے فوری طور پر ہاں کر دی تھی۔ اس رات میں بہت روئی تھی۔ اتنا روئی تھی کہ اگلی صبح میری آنکھیں کھل نہیں پا رہی تھیں۔ مجھ پر کیا گزر رہی تھی، کوئی نہیں جانتا تھا۔ امی اسے میری..... بے وقوفی سمجھ رہی تھیں۔

تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہارے لئے رشتوں کی کیا کمی ہے اور عمر میں کون سا سرخاب کے پر لگے ہیں۔ تمہارے لئے تو میں اس سے کئی گنا اچھا رشتہ ڈھونڈوں گی اور یہ اچھا ہی ہوا کہ ابھی میں نے اس سے تمہارا رشتہ طے نہیں کیا تھا۔ ورنہ تم خود سوچو اگر کہیں بعد میں یہ سب پتا چلتا تو ہم کیا کرتے۔ انہوں نے اگلے دن میری سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر کہا تھا۔ میں نے بڑی خاموشی سے ان کی باتیں سنی تھیں اور اسی طرح انہیں دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔

یہ محبت کو کیا سمجھتی ہوں گی۔ انہوں نے کبھی محبت کی ہوتی تو یہ جانتیں کہ کسی کو دل سے نکالنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے سوچا تھا۔

☆

عمر کی ثناء سے صرف نسبت طے نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک ماہ کے اندر اندر وہ بیاہ کر عمر کے گھر آ گئی حالانکہ خالہ نے اس پر بہت شور مچایا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ پہلے کم از کم سو بیٹیوں کی شادی کریں پھر عمر کی شادی ہو مگر ثناء کے گھر والوں کو بہت جلدی تھی اور عمر نے اپنی امی کو بس یہ کہہ کر چپ کروا دیا تھا۔

میں جانتا ہوں، میری تین بہنیں ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ غیر شادی شدہ ہیں لیکن میں نے کب ان کی ذمہ داریاں اٹھانے سے انکار کیا ہے۔ اہ اب بھی میری ذمہ داری ہیں۔ شادی کے بعد بھی وہ میری ذمہ داری رہیں گی اور اس سلسلے میں آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ جہاں تک ثناء کا تعلق ہے تو وہ کبھی بھی آپ کے لئے مسئلہ کھڑا نہیں کرے گی۔ وہ میرے گھر کے بارے میں بھی جانتی ہے اور میری ذمہ داریوں کے بارے میں بھی۔ لیکن اس کے والدین کو بھی ابھی دو بیٹیاں بیاہنی ہیں۔ ثناء کی شادی کریں گے تو دوسری بیٹیوں کی شادی کر سکیں گے۔ ان کی بھی مجبوری ہے۔ آپ کو اگر خدشہ ہے کہ بہت پیسہ خرچ کرنا پڑے گا تو اس کے بارے میں بھی پریشان نہ ہوں۔ بہت سادگی سے شادی کر دیں۔ کسی دھوم دھام کی ضرورت نہیں ہے۔ جو روپیہ خرچ ہو گا وہ میں خرچ کروں گا۔ آپ کو کوئی پریشانی اٹھانی نہیں پڑے گی۔

خالہ نے بہت بہانے کرنے کی کوشش کی مگر ان کی ایک نہیں چلی تھی۔ انہیں اس کی شادی کی تاریخ طے کرنی پڑی تھی۔ چچا تمام معاملات میں عمر کا ساتھ دے رہے تھے، شاید اس لئے کہ وہ ان کا کماؤ بیٹا تھا اور وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ گھر میں اس کی شادی کی تیاری کوئی زیادہ جوش و خروش سے نہیں کی گئی۔ اتنی جلدی اس کی شادی پر اس کی بہنیں بھی کچھ زیادہ خوش نہیں تھیں اور خالہ، وہ تو کئی بار مجھے دیکھ کر رو پڑتیں۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں لیکن مجھے ان کی محبت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ خالہ نے بری میں اس کے لئے صرف دس جوڑے تیار کروائے تھے اور سونے کا صرف ایک سیٹ تھا۔ خالہ کے پاس اپنی شادی

کا کافی زیور تھا اور پہلے کئی بار وہ مجھے اپنے زیور کی چیزیں دکھا کر کہتیں کہ یہ میں نے عمر کی دلہن کے لئے رکھا ہے مگر عمر کی شادی کے موقع پر انہوں نے اپنا کوئی بھی زیور ثناء کو نہیں دیا تھا۔

بہت سادگی سے شادی ہوئی تھی۔ مہندی وغیرہ کی کوئی رسم نہیں ہوئی تھی۔ خالہ نے شادی پر بہت قریبی عزیزوں کو بلایا تھا اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی شادی پر گئی تھی کیونکہ یہ میری امی کی ضد تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ مجھے کسی بات پر ماتم کرنے کے لئے گھر میں نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ اس طرح صرف دوسرے لوگ تماشا دیکھتے ہیں۔ میں دل پر جبر کرتے ہوئے اس کی شادی میں شریک ہوئی تھی۔

عمر حسن بہت خوش تھا۔ میں نے اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اتنا خوش نہیں دیکھا۔ اس کا ہر قہقہہ میرے دل کا خون کر رہا تھا۔ اس کی بیوی خوبصورتی میں کسی طور بھی میرے مقابل نہیں آ سکتی تھی۔ وہ دلہن بن کر خوبصورت لگ رہی اور اس دن میں دلہن نہ ہوتے ہوئے بھی بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس رات شادی سے واپس آنے کے بعد میں کمرہ بند کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی۔ آئینہ کہہ رہا تھا کہ میں بے حد خوبصورت ہوں اور آج تو قیامت ہی ڈھا رہی ہوں۔

لوگ کہتے ہیں میں خوبصورت ہوں اور لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ پھر بھی عمر حسن تمہیں میرا حسن نظر کیوں نہیں آیا۔ اس کی کون سی چیز مجھ سے بہتر ہے۔ آنکھیں، بال، ہونٹ، ناک، رنگت، کسی چیز میں بھی تو وہ مجھ سے بہتر نہیں ہے پھر بھی تم نے اسی کو کیوں چنا؟ مجھے کیوں نہیں۔

میں ساری دنیا کے لئے غلط ہوسکتی ہوں مگر خدا جانتا ہے، تمہیں تو میں نے دل سے چاہا تھا۔ کم از کم تمہارے لئے تو میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ پھر بھی عمر حسن آخر تم مجھے کیوں نہیں ملے؟

اس رات میں بلک بلک کر روئی تھی۔ اس رات میں سو ہی نہیں سکی۔ ایک آگ تھی جو میرے وجود کو جلانے لگی تھی۔

وہ ثناء کو کیوں لایا ہے؟ اسے اس سے محبت کیوں ہوئی ہے؟ آج وہ ہنس رہا تھا۔ بے حد خوش تھا۔ پتا نہیں آج وہ اس سے کیا کیا وعدے کر رہا ہوگا؟ وہ سب باتیں جو میں اس کے منہ سے اپنے لئے سننا چاہتی تھی آج وہ اس سے کہہ رہا ہوگا اور اسے احساس بھی نہیں ہے کہ اس نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔ برباد کر دیا ہے۔ میں جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے کے چکر کاٹتی رہی۔ کاش ثناء مر جائے۔ کاش وہ آج ہی مر جائے۔ میں جو بد دعا اسے دے سکتی تھی میں نے دی تھی۔

مگر جس کی دعا میں اثر نہیں ہوتا اس کی بد دعا میں کیا اثر ہوگا۔ قیامت تو صرف وہی تھی جو مجھ پر گزر گئی تھی۔ دوسروں کے لئے تو دنیا اب بھی باقی تھی اور ثناء اور عمر کے لئے تو زندگی شاید اب ہی شروع ہوئی تھی۔ پتا نہیں کیا بات تھی لیکن عمر حسن سے میری محبت میں کمی آنے کے بجائے اور شدت آ گئی تھی۔ جتنی شدت سے میں اس سے محبت کرتی تھی، اتنی ہی شدت سے میں ثناء سے نفرت کرتی تھی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جب عمر کی شادی ہو جائے گی تو پھر میں کبھی خالہ کے گھر نہیں جاؤں گی لیکن میں اپنے اس فیصلے پر قائم نہیں رہ سکی۔ میں اس کی

شادی کے بعد بھی اس کے گھر پہلے ہی کی طرح جاتی رہی، بلکہ شاید پہلے سے بھی زیادہ اور خالہ پہلے سے بھی زیادہ میری خاطر مدارت کرتی تھیں۔ ثناء کے ساتھ ان کا رویہ بے حد روکھا اور خشک ہوتا تھا اور مجھے بہت اچھا لگتا تھا ان کی یہ کڑوی باتیں سن کر۔

شروع میں میرے ساتھ بھی ثناء کا رویہ بے حد گرم جوش تھا لیکن میں اس سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ اگر کبھی مجھے کوئی چیز کھانے کے لئے لا کر دیتی تھی تو میں اسے ہاتھ تک نہ لگاتی۔ وہ مجھ سے کوئی بات پوچھتی تو میں اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے خالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو جاتی۔

وہ میرے پاس بیٹھی رہتی اور میں ایک بار بھی اس کی طرف دیکھنا پسند نہ کرتی۔ رفتہ رفتہ اسے میری ناپسندیدگی کا احساس ہو گیا تھا اور اس نے خود ہی میرے پاس بیٹھنا کم کر دیا۔ اب میرے جانے پر وہ پہلے کی طرح میرا حال بھی نہیں پوچھتی تھی اور میں یہی چاہتی تھی۔ اس نے عمر حسن کو مجھ سے چھینا تھا اور یہ نقصان اتنا بڑا تھا کہ میں کسی صورت بھی اسے معاف کرنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اگر عمر حسن کی زندگی میں نہ آتی تو یہ میں تھی جسے وہ چاہتا، جو اس گھر میں ہوتی مگر اس نے عمر حسن پر ایسا جادو کیا تھا کہ وہ اس کا ہو گیا۔

کبھی جب میں شام کو خالہ کے گھر جاتی تو وہ سج سنور کر پھر رہی ہوتی۔ میری آنکھیں دھواں دھواں ہونے لگتیں۔ میرا دل چاہتا، میں اس کے بال نوچوں، اس کے کپڑے پھاڑ ڈالوں۔ اس کا چہرہ اپنے ناخنوں سے بگاڑ دوں۔

اور کتنے حربے آزمائے گی تو چڑیل اور کتنے حربے آزمائے گی۔ اس کے دل میں تو پہلے سے ہی بسی ہے، اب یہ چلتر کس لئے کر رہی ہے۔ میرا دل چلاتا۔ میری سانس تیز ہو جاتی اور میں رکے بغیر خالہ سے باتیں کرتی رہتی اور میں کیا کرتی۔

☆

ثناء سے نفرت میں، میں اکیلی نہیں تھی۔ خالہ مجھ سے بھی زیادہ نفرت کرتی تھیں اور وہ اپنی باتوں سے اس کا اظہار بھی کرتی رہتیں جو شاید میں نہیں کر سکتی تھی۔ انہوں نے شروع سے ہی ثناء سے کسی التفات کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اپنی باتوں کے ذریعے انہوں نے اس گھر میں اس کی حیثیت سے اسے آگاہ کر دیا تھا۔ ثناء کو اس کے ماں باپ نے بہت اچھا جہیز دیا تھا۔ ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انہوں نے نہ دی ہو لیکن خالہ نے پھر بھی جہیز پر بہت سے اعتراضات کیے تھے اور نقص نکالے تھے۔

لیکن عمر شاید پہلے ہی ثناء کو خالہ کے رویے کے بارے میں آگاہ کر چکا تھا۔ اس لئے خالہ کے کسی بھی طعنے اور بات پر وہ ناراض ہوتی نہ کچھ کہتی بلکہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جاتی اور میرے اور خالہ کے غصے میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ہماری خواہش ہوتی کہ وہ جواب میں کچھ کہے، اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور بات بڑھے لیکن وہ کبھی اس کا موقع نہیں دیتی

تھی۔

یہ پڑھی لکھی لڑکیاں بڑی میسنی اور گھنی ہوتی ہیں۔ بڑے فریب آتے ہیں انہیں۔ یہ ابھی تو آپ کے سامنے معصوموں کی طرح منہ بند کرکے پھرتی ہے مگر بعد میں عمر کو سب کچھ بتاتی ہوگی۔

میں ہر دفعہ خالہ کے گھر جانے پر ان کے کان میں کچھ نہ کچھ ضرور انڈیل کر آتی۔ خالہ کو میری ہر بات پر یقین آ جاتا اور ثناء سے ان کی نفرت اور بڑھ جاتی۔

☆

ثناء کی عادتیں اور مزاج بے حد عجیب تھا۔ وہ بے حد ٹھنڈے مزاج کی مالک تھی۔ وہ ایک بڑے گھر سے چھوٹے گھر میں آئی تھی لیکن پھر بھی اس میں نہ نخرا تھا نہ غرور اور نہ ہی اسے کسی بات پر شکوہ ہوتا تھا۔ وہ خاموشی سے خالہ کی باتیں سنتی اور کسی ردعمل کا اظہار نہ کرتی۔

شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد خالہ نے اسے گھر کے کاموں پر لگا دیا تھا۔ اس نے گھر کا کام کرنا شروع کر دیا تھا لیکن وہ صرف ایک وقت کا کھانا پکاتی تھی، برتن اور کچن صاف کرتی تھی اور صحن اور ڈرائینگ روم کی ذمہ داری اس نے اپنے سر لی تھی۔ خالہ کی لاکھ چیخ و پکار اور نندوں کے بسورے ہوئے چہروں کے باوجود اس نے پورے گھر کی ذمہ داری نہیں لی تھی۔ وہ خالی کی باتیں سن لیتی تھی لیکن پھر بھی کام وہ صرف اتنا ہی کرتی تھی جتنا اس نے کہا تھا۔

خالہ کو اس پر بے حد طیش آتا تھا۔ ایک ہفتہ تک وہ عمر کے کان بھی کھاتی رہیں کہ ثناء گھر کے کام میں دلچسپی نہیں لیتی لیکن اس کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

امی میں اسے نوکرانی بنا کر نہیں لایا ہوں۔ وہ اس گھر کی ایک فرد ہے۔ جتنا کام اسماء، زیب اور یاسمین کرتی ہیں، اتنا ہی کام وہ بھی کرتی ہے۔ ظاہر ہے ان سے زیادہ تو نہیں کر سکتی،۔ پھر آپ کو کس بات پر اعتراض ہے۔ اب اگر وہ سب لوگوں کے کپڑے نہیں دھوتی تو ٹھیک ہے۔ وہ اپنے اور میرے کپڑے دھو لیتی ہے۔ آپ کے اور ابو کے بھی دھو سکتی ہے لیکن باقی لوگ اپنی ذمہ داری خود اٹھا سکتے ہیں۔ اور مجھے تو اس سے یہ کہتے ہوئے بھی شرم آئے گی کہ وہ میری بہنوں اور بھائی کے کپڑے دھوئے۔ وہ بڑی اطمینان سے کہہ دیتا اور خالہ کے تن بدن میں آگ لگ جاتی مگر عمر پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ بھی ثناء کی طرح امی کی باتیں سنتا رہتا اور چپ رہتا۔

امی ان دنوں بڑے زور و شور سے میرے لئے رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ بعض رشتے انہیں کسی وجہ سے پسند نہ آتے اور جو انہیں پسند آتے، انہیں میں ٹھکرا دیتی۔ میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ میں جو جگہ عمر حسن کو دے چکی تھی وہ اب کسی اور کو نہیں دے سکتی تھی مگر میں یہ بات ان سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ ہاں جو کام میں کر سکتی تھی، وہ کر رہی تھی۔

☆

خالہ نے اسماء کی شادی طے کر دی تھی۔ اس کی شادی عمر جتنی سادگی سے تو نہیں ہوئی مگر زیادہ دھوم دھڑ کے سے بھی نہیں ہوئی۔ خالہ نے اپنے زیورات کا ایک حصہ اسے دے دیا تھا۔ کچھ چیزیں اس کے جہیز کے لئے خالہ نے پہلے سے تیار کر کے رکھی ہوئی تھیں باقی اشیاء کا انتظام عمر نے کیا تھا۔ خالہ نے بھی ضرورت کی ہر چیز اسماء کو دی تھی بلکہ بعض غیر ضروری چیزیں بھی۔ عمر نے دبی زبان سے اعتراض کیا مگر خالہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ یہ سارے اخراجات ضد میں کر رہی تھی۔

اگر اپنی شادی کے لئے تمہارے پاس پیسہ آ سکتا ہے تو کیا بہن کے لئے نہیں آ سکتا۔ اس وقت تو بڑا کہہ رہے تھے کہ ہر ذمہ داری پوری کروں گا۔ اب کیا بیوی کی نصیحتیں یاد آنے لگی ہیں۔

عمر کا چہرہ ان کی بات پر سرخ ہو گیا مگر وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ میں تب خالہ کے پاس ہی بیٹھی تھی اور چچا اور زیب بھی پاس ہی تھے۔ خالہ اس کے جانے کے بعد بھی بڑبڑاتی رہیں۔ عمر نے اس کے بعد کسی چیز پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ وہ بس خاموشی سے خالہ کے احکامات سرانجام دیتا رہا۔ خالہ نے جہیز پر کافی روپے خرچ کر دیے تھے مگر انہیں اس لئے اس کا زیادہ احساس نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے اپنے پاس سے بہت کم روپے خرچ کیے تھے۔

کچھ رقم چچا نے انہیں دی تھی جبکہ باقی ساری رقم عمر نے دی تھی۔

اسماء کی شادی کے تین ماہ بعد ہی عمر کے ایک دوست کی معرفت زیب کا رشتہ بھی طے ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کو بھی شادی کی جلدی تھی۔ ایک بار پھر خالہ نے اسماء کی شادی کی طرح زیب کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عمر نے پہلے کی طرح خالہ کو کچھ رقم دی مگر خالہ کے لئے وہ رقم بہت کم ثابت ہوئی۔ انہوں نے تین بار عمر سے اور رقم مانگ لی۔ اس نے بڑی خاموشی سے ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ زیب کی شادی میں، میں نے ثناء کو نئے زیورات پہنے دیکھا اور میں نے خالہ کی توجہ بھی اس طرف مبذول کروائی تھی۔

ہاں، بیوی کو عیاشی نہیں کروائے گا تو کیا ماں بہنوں کو کروائے گا۔ بیوی کے لئے نیا سیٹ بھی بن گیا چوڑیاں بھی بن گئیں اور اسے اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ بہن کو ایک انگوٹھی ہی ڈال دیتا۔ میں نے ہی اپنا زیور اسے دیا ہے اور پھر ثناء کے پاس زیور کی کون سی کمی تھی۔ تین سیٹ اور بارہ چوڑیاں تو اسے اپنے میکے سے ملے تھے اور ایک سیٹ ہماری طرف سے بھی دیا گیا تھا۔ پھر بھی دیکھو اس نواب زادے کو، کیسے چپ چپاتے بیوی کو زیور لے کر دے دیا ہے۔

خالہ کافی ناراض تھیں اور زیب کی رخصتی کے فوراً بعد انہوں نے سب کے سامنے ہی عمر سے اس ناراضگی کا اظہار کر دیا تھا۔ ثناء خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئی جبکہ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا لیکن اس کے چہرے پر بھی غصے کے آثار نمایاں تھے۔ جب خالہ کی ڈانٹ ڈپٹ اور طعنے زیادہ ہو گئے تو وہ بھی اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔ خالہ کی ناراضگی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

☆

عمر کی شادی کو ڈیڑھ سال ہو رہا تھا لیکن ابھی تک ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر جیسے انہیں اس کی زیادہ پرواہ ہے بھی نہیں۔ جب کبھی خالہ پوتے پوتیوں کا ذکر چھیڑتیں اور ثناء کو کچھ کہتیں تو وہ تو چپ رہتی لیکن عمر اس ذکر کو بڑی لاپروائی سے ٹال دیتا۔

بعض دفعہ مجھے ثناء ایک جادوگرنی کی طرح لگتی تھی۔ اس نے پتا نہیں عمر پر کیا منتر پھونکا ہوا تھا کہ اس کی کوئی کمزوری عمر کو نظر آتی ہی نہ تھی۔ وہ خالہ کی باتوں پر کان دھرتا تھا نہ گھر والوں کی شکایتوں پر اور اس کی اس عادت نے میرے حسد کو اور بھڑکا دیا تھا۔

پتا نہیں کیا ہوا تھا مگر آہستہ آہستہ اس کا کاروبار بڑھنے کے بجائے گھٹتا ہی گیا تھا۔ باہر سے ایکسپورٹ کے آرڈرز ملنا پہلے سے کم ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ بند ہی ہو گئے۔ ان دنوں میں جب بھی خالہ کے گھر جاتی، ان کے ہونٹوں پر کاروبار ہی کا ذکر ہوتا۔

اچھا بھلا کام چل رہا تھا، مگر جب سے یہ چڑیل گھر میں آئی ہے آہستہ آہستہ کاروبار ختم ہی ہو گیا ہے۔

وہ اب بلند آواز سے ثناء کو کوسنے دیا کرتی تھیں اور تب پہلی بار میں نے اسے پریشانی میں دیکھا اور یہ احساس میرے دل کو بے حد تقویت پہنچا رہا تھا کہ اب وہ تکلیف میں وقت گزارے گی۔ اب وہ لڑے گی، چیخے گی، چلائے گی۔ آخر ہو انسان تھی اور پچھلے ڈیڑھ سال

سے وہ عیش ہی تو کر رہی تھی۔ مجھے عمر حسن سے ہمدردی تھی اگر یہ حالت ثناء سے شادی کرنے سے پہلے ہوتی تو میں اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دیتی۔ میں ابو کو مجبور کرتی کہ وہ اس کی مدد کریں، لیکن اب نہیں۔ اب میں اس کی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اب میں اسے بھی تکلیف میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے بھی تو پتا چلنا چاہیئے تھا کہ جب مٹھی میں جکڑی ہوئی چیزیں پھسل جاتی ہیں اور لاکھ کوشش کرنے کے باوجود ہاتھ نہیں آتیں تو کیسا لگتا ہے۔

اس کو بھی تو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہو اور وہ آپ کے پاس نہ رہے تو کیا ہوتا ہے۔ میں ان کے گھر جاتی رہتی تھی۔ میں چہرے دیکھتی رہتی تھی۔ پہلے وہ بہت مصروف ہوتا تھا اور بہت کم ہی گھر پر نظر آتا تھا مگر اب وہ اکثر گھر پر نظر آیا کرتا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے اس کے چہرے پر جو رونق رہتی تھی، وہ غائب ہونے لگی تھی۔ میں جانتی تھی، وہ پریشان ہے اور بعض دفعہ میرا دل چاہتا، میں بھاگ کر اس کے پاس جاؤں اور کہوں۔

مجھے بتاؤ تمہیں کیا چاہیئے۔ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ مگر تم مسکراؤ۔

مگر پھر وہ آ جاتی ہمیشہ کی طرح اور میرے سارے جذبات بھک سے اڑ جاتے۔

ان دنوں خالہ بھی بہت پریشان تھیں اور وہ اپنی پریشانی کا اظہار وقتاً فوقتاً جھگڑوں سے کرتی رہتی تھیں۔ ان جھگڑوں کا نشانہ ثناء بنتی اور اب تو خالہ عمر کو بھی طعنے دینے لگی تھیں۔ وہ اسے کئی دفعہ غصے سے کہتیں۔ گھر چلانا اب اس کی ذمہ داری ہے اور وہ محنت کرنے کے بجائے کام چوروں کی طرح ادھر ادھر پھر کر شام کو گھر آ جاتا ہے۔ اسے فکر ہی نہیں ہے کہ گھر میں کچھ

پکانے کے لئے ہے یا نہیں اور گھر کا خرچ کہاں سے چل رہا ہے۔

بعض دفعہ خالہ میرے سامنے ہی یہ کہتیں اور وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے چلا جاتا۔ اگر ثناء وہاں ہوتی تو مجھے خالہ کی یہ ڈانٹ پھٹکار بہت اچھی لگتی اگر وہ نہ ہوتی تو مجھے اس پر بے اختیار ترس آتا۔ وہ چند ماہ سے خالہ کو گھر کے خرچ کے لئے پیسے نہیں دے رہا تھا اور خالہ کو چچا کی پنشن میں ہی گزارا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ رقم اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھی کہ با آسانی گھر کا خرچ چلایا جا سکے۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ان کے پاس کیا ہوتا ہے یا کیا نہیں۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ثناء کے صبر کا پیمانہ کب لبریز ہوتا ہے یا عمر کب ان حالات سے تنگ آ کر فرسٹریشن کا شکار ہوتا ہے اور اس سے جھگڑنا شروع کرتا ہے۔

مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ دونوں بہت بڑے فریبی تھے یا پھر شاید ایکٹر تھے۔ انہیں اپنے جذبات چھپانا بہت اچھی طرح آتا تھا اور پتا نہیں انہیں ایک دوسرے کے وجود سے الجھن کیوں نہیں ہوتی تھی۔ مجھے ثناء پر زیادہ حیرت ہوتی تھی۔ آخر عمر میں تھا ہی کیا جو اس نے اس کا انتخاب کیا اور اب کیا کر رہا ہے جو اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔

وہ گھر کا خرچ نہیں چلا پا رہا تھا تو اسے کیا دیتا ہوگا۔ اسے وحشت نہیں ہوتی اس گھر کے ماحول سے۔ اسے چلے جانا چاہیئے وہاں سے۔ میں نے سوچا اور سوچتی ہی رہی مگر پتا نہیں وہ کس مٹی سے بنی تھی۔ گھر چھوڑ کر جانے کے بجائے ایک دن مجھے پتا چلا کہ اس نے کہیں جاب کر لی ہے۔ ہمارے خاندان میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ کسی نے جاب کی ہو۔

خالہ نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ انہوں نے عمر کو ہر طعنہ دے ڈالا اور یہ صرف ایک دن نہیں ہوتا تھا۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا، وہ جب بھی ان کے سامنے آتا وہ اسے طعنے دیتیں۔ بعض دفعہ مجھے اس پر بے حد رحم آتا مگر خالہ کو رحم نہیں آتا تھا۔ عمر نے سب کچھ سننے کے باوجود ثناء کو نوکری سے نہیں روکا تھا۔

مجھے ذاتی طور پر ثناء کی جاب پر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ یہ پہلا ایسا قدم تھا کو چھٹکارے کی طرف تھا۔ میں جانتی تھی، کام کرنے والی عورتیں زیادہ دیر تک نکھٹو شوہر برداشت نہیں کرتیں اور عمر کے پاس اب کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا دفتر تقریباً بند ہو چکا تھا اور ان دنوں وہ خود جاب کی تلاش میں رہنے لگا تھا۔ ثناء کے نوکری کرنے سے یہ ہوا کہ عمر نے ایک بار پھر سے گھر میں خرچ کے لئے پیسے دینا شروع کر دیئے۔

ظاہر ہے کہ پیسے ثناء کی تنخواہ کے ہی ہوتے تھے اور خالہ ان دونوں کو درجنوں طعنے اور گالیاں دینے کے باوجود بھی وہ پیسے لے لیتی تھیں۔ انہیں پتا تھا کہ صرف پنشن سے گھر نہیں چل سکتا۔ چچا نے بھی ایک پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈ لی اور کم از کم یہ ضرور ہو گیا تھا کہ اب خالہ ہر دوسرے چوتھے روز امی کے پاس ادھار مانگنے نہیں آیا کرتی تھیں۔ کچھ وقت اور اسی طرح گزر گیا تھا۔ میری امیدیں ابھی بھی قائم تھیں۔

یہ رشتہ ختم ہو جائے گا۔ رہنے والا نہیں ہے۔ بس دیکھو کہ اور کتنا وقت لگتا ہے۔ میں خود کو تسلیاں دیتی رہتی۔ اس کے علاوہ ان دنوں میرے پاس کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔

☆

اس دن بھی میں خالہ کے گھر تھی، جب ثناء کی دو فرینڈز اس سے ملنے آئی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھی تھی جب اچانک خالہ نے مجھ سے کہا کہ میں جا کر ان کی باتیں سنوں اور انہیں بتاؤں کہ وہ اپنی فرینڈز سے کیا کہہ رہی ہے۔ اس سے پہلے خالہ اکثر یاسمین کے ذریعے اس پر نظر رکھتی تھیں مگر اس دن یاسمین گھر پر نہیں تھی سو خالہ نے یہ کام مجھے سونپ دیا۔ ایک عجیب سی سنسنی میرے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ میں زندگی میں پہلی دفعہ یہ کام کر رہی تھی مگر پھر بھی ایک عجیب سا جوش تھا میرے اندر۔ دھڑکتے دل اور دبے قدموں سے میں ڈرائنگ روم کی اس کھڑکی سے کان لگا کر کھڑی ہوگئی جو گھر کے دائیں طرف والی گلی میں کھلتی تھی۔ مجھے کافی احتیاط سے وہاں جانا پڑا تھا کیونکہ گلی کافی تنگ تھی اور جا بجا گملے رکھے ہوئے تھے جن میں پنیری لگائی گئی تھی۔ کچھ لکڑی کا پرانا فرنیچر بھی وہاں پڑا ہوا تھا۔ بہرحال بہت احتیاط سے سب چیزوں سے بچتی بچاتی میں کھڑکی کے پاس پہنچ ہی گئی۔

اندر سے آوازیں صاف آ رہی تھیں، کیونکہ کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ میں نے کھڑکی کے سمنے آ کر اندر جھانکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اس طرح کوئی بھی مجھے دیکھ سکتا تھا، بس کھڑکی کے ایک طرف کھڑے ہو کر کان اندر لگا دیے۔

دل کیوں نہیں چاہتا؟ چاہتا ہے دل، لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ ساری زندگی دل کی خواہشوں کے تحت تو نہیں گزاری جاسکتی۔ کچھ برداشت، کچھ صبر بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور میں آج کل وہی کر رہی ہوں اور رابعہ یقین کرو میں ناخوش نہیں ہوں۔

میں نے ثناء کی آواز پہچان لی تھی۔ وہ کسی چیز کے براے میں بات کر رہی تھی۔

پھر بھی ثناء گھر چلانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ عمر کی ذمہ داری ہے یا تمہارے سسرال والوں کی۔ تمہاری نہیں۔

اس کی دوستوں میں سے کسی نے کہا تھا۔ میں بڑے غور سے اس کا جواب سننے لگی۔

ذمہ داری ک یہی تو مسئلہ ہوتا ہے کہ اسے کوئی اپنے سر پر لینے پر تیار نہیں ہوتا۔ دیکھو رابعہ یہ تعلیم میں نے اس لیے حاصل کی تھی کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو اسے استعمال کروں اور اب مجھے اس کا استعمال کرنا پڑ رہا ہے۔ عمر ایسا بندہ نہیں ہے جو اپنی ذمہ داریاں دوسروں کے کندھوں پر ڈال کر خوش ہو نہ ہی وہ کوئی کام چور قسم کا آدمی ہے۔ لیکن پرابلم یہ ہے کہ ابھی اس کا بزنس تقریباً ختم ہو گیا ہے اور اچھی جاب کوئی ہے نہیں، اور میں خود بھی نہیں چاہتی کہ وہ کوئی جاب کرے اگر اس نے جاب کرنی شروع کر دی تو پھر بزنس تو اسے چھوڑنا ہی پڑے گا۔ اتنی محنت سے جو اس نے ایک فرم، ایک آفس بنایا ہو سکتا ہے وہ دوبارہ کبھی نہ بنا سکے۔ بزنس میں اچھا برا وقت تو آتا ہی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ برا وقت بھی تھوڑے عرصے کے لیے ہی ہو اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ صرف گھر کا خرچ چلانے کے لیے جاب کرنے پر مجبور ہو جا۔ برا وقت مل کر گزار لیں گے تو پھر ہمارا رشتہ اتنا مضبوط ہو جاگا کہ کوئی چیز اس پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی۔

مجھے اس کی باتوں سے جلن ہونے لگی تھی۔ وہ ابھی بھی ناامید نہیں تھی۔

اور بچوں کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ کیا اپنا خاندان بڑھانا نہیں ہے؟ اس دفعہ ایک دوسری آواز نے پوچھا تھا۔

دیکھو سعدیہ ابھی بچے پیدا کر کے کیا کرنا ہے۔ بچوں کے لیے ابھی ہمارے پاس ہے کیا۔ انہیں تو کم از کم اس طرح نہیں رکھ سکتے جس طرح ہم رہ رہے ہیں۔ پھر انہیں ابھی پیدا کرنے کا کیا فائدہ؟ ویسے بھی عمر بالکل نہیں چاہتا کہ ابھی کوئی بچہ پیدا ہو اور جب وہ ہی نہیں چاہتا تو پھر ظاہر ہے مجھے کس بات کی جلدی ہے۔

پھر بھی ثناء تمہاری شادی کو دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ کیا تمہارے سسرال والے کوئی اعتراض نہیں کرتے؟

کرتے ہیں، میری ساس طعنے وغیرہ بھی دیتی ہین، مگر ہم دونوں اس کے بارے میں پہلے ہی سے فیصلہ کر چکے ہیں، اس لیے نہ میں پروا کرتی ہوں نہ عمر اور جب عمر کو پروا نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے، میں کیوں پریشان ہوں گی۔

تم بہت ایثار کر رہی ہو عمر کے لیے۔ عورت کو عام طور پر ایسے ایثار راس نہیں آتے۔ تمہارا یہ ایثار، یہ قربانیاں وہ کب تک یاد رکھے گا۔ مرد کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے ان معاملات میں اور کیا عمر مختلف ہو سکتا ہے۔

بالکل یاد رکھے گا۔ کیوں نہیں یاد رکھے گا۔ میں یہ بالکل نہیں مانتی کہ مرد کے لیے قربانی

دی جا اور وہ اسے بھول جا۔ اس کا کوئی صلہ نہ دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو بندہ آپ کا شوہر ہو۔ آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ اس کے لیے کچھ کریں تو وہ اسے بھلا دے۔ اس کے نزدیک اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو۔ اور پھر ہم دونوں میں تو ذہنی ہم آہنگی ہے، ہمیں تو اپنی باتیں ایک دوسرے تک پہنچانے کے لیے بعض دفعہ الفاظ کی بھی ضرور نہیں پڑتی۔ کم از کم عمر حسن وہ واحد شخص ہے جس کے بارے میں، میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ احسان فراموش نہیں ہے۔ اس کے لیے کچھ کیا جاتو وہ اس سے بڑھ کر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مگر ابھی تک تو تم ہی اس کے لیے کچھ نہ کچھ کیے جا رہی ہو۔ پہلے تم نے اس کی بہن کی شادی پر اپنا زیور بیچ کر روپے اسے دے دیے پھر یہ جاب۔۔۔

میں اس کی دوست کی بات پر چونک پڑی تھی۔ ثناء نے اپنی دوست کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔

دیکھو رابعہ زیور بیچنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے ان چیزوں کا شوق نہیں ہے۔ پھر میں نے اپنی مرضی سے مدد کی تھی اس نے مجھ سے نہیں کہا تھا۔ زیور کون سی چیز ہے جس کے بغیر رہا نہ جا سکے۔ شادی بیاہ پر ہی پہنا جاتا ہے اور وہ کسی سے بھی لے کر پہنا جا سکتا ہے جیسے میں اپنی امی سے لے کر پہن لیتی ہوں۔ جب اس گھر میں آ گئی ہوں تو اس گھر کی ہر ذمہ داری کو شیئر کرنا بھی میرا فرض ہے۔ پھر اس کی بہن اور میری بہن میں کیا فرق ہے۔ میں اتنی معمولی چیزوں کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان نہیں ہوتی۔ اس کے پاس جب روپیہ آ گا تو دیکھ لینا، وہ

مجھے کیا کیا دے گا۔

اس کے لہجے میں کا یک عجیب سا یقین تھا اور یہ یقین مجھے سانپ کی طرح ڈس رہا تھا۔ یہ کس مٹی سے بنی ہوئی ہے کہ اس کے گمان کبھی غلط ہوتے ہی نہیں۔ اس کا یقین کبھی ختم نہیں ہوتا۔

عمر حسن نہ کبھی تمہارا رہے گا نہ تمہارے لیے کچھ کرے گا۔ وہ پہلے بھی میرا تھا اور اب بھی میرا ہے، وہ کل بھی میرا رہے گا۔ میں دیکھوں گی تم کب تک اس کے دل میں بسی رہو گی۔ میں اندر ہی اندر چلاّ رہی تھی۔

پھر میں زیادہ دیر تک وہاں کھڑی نہیں رہ سکی۔ میں وہاں سے خالہ کے پاس آ گئی تھی۔

انہوں نے مجھ سے ان کی گفتگو کے بارے میں پوچھا تھا اور میرے دل میں جو آیا، میں نے گھڑ کر خالہ کو بتا دیا، ان کا طیش بڑھتا ہی گیا تھا۔ میں وہاں سے آ گئی تھی۔ اس شام عمر کے آنے پر خالہ نے گھر میں تماشا کھڑا کر دیا۔ انہوں نے دونوں کو کھری کھری سنائی تھیں۔ ثناء نے بہت انکار کیا تھا کہ اس نے اپنی فرینڈز سے خالہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی مگر خالہ نے ایک نہیں سنی۔ انہیں مجھ پر بلا کا یقین تھا۔ مجھے خالہ کے اس کارنامے کی تفصیل اگلے دن معلوم ہوئی تھی اور میرے دل باغ باغ ہو گیا تھا۔

دن اسی طرح گزرتے جا رہے تھے۔ عمر کے بزنس میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے کوئی پارٹ ٹائم جاب بھی کر لی تھی۔ ان کے گھریلو ماحول میں ویسے ہی تناؤ تھا۔ خالہ ہر بات کا ذمہ دار ثناء کو ٹھہراتی تھیں۔ وہ اسے منحوس کہنے لگی تھیں۔ میں مانتی ہوں، یہ میں ہی تھی جس نے ثناء کے معاملے میں خالہ کی پوری برین واشنگ کر دی تھی۔ اگر میں خالہ کے گھر میں اتنی آمدورفت نہ رکھتی تو شاید خالہ کو ثناء کی کوئی اچھائی بھی نظر آ جاتی۔ شاید وہ ان کے دل میں کچھ جگہ بنا ہی لیتی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔ بڑی ہوشیاری سے میں نے ان کے دل میں نفرت کا بیج بو دیا تھا اور پھر اسے مسلسل پانی دیتی رہی یہاں تک کہ وہ ایک تناور درخت بن گیا تھا، ایسا تناور درخت جسے کاٹنا اب ثناء اور عمر کے بس کا کام نہیں رہا تھا۔ شاید اب میں بھی چاہتی تو اس درخت کو گرا نہیں سکتی تھی لیکن میں اسے گرانا چاہتی بھی نہیں تھی۔ اسی کے سائے تلے تو مجھے بیٹھنا تھا۔

ان دنوں خالہ نے اس دونوں کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ ثناء آفس سے گھر آتی اور کسی نہ کسی بات پر خالہ کوئی ہنگامہ شروع کر دیتیں۔ میں بعض دفعہ اس کی برداشت پر حیران ہوتی تھی۔ اس میں صبر کا مادہ میری توقع سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ وہ خالہ کی باتیں سرخ چہرے کے ساتھ سنتی رہتی بعض دفعہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے مگر وہ پھر بھی چپ ہی رہتی تھی۔

پھر جب رات کو عمر گھر آتا تو خالہ نے پھر کوئی تماشا تیار رکھا ہوتا۔ وہ بلند آواز سے بولتی جاتیں۔ اپنی قسمت کے رونے روتیں۔ ثناء کو گالیاں دیتیں۔ عمر کو بیوی کی کمائی کھانے اور اس کے غلام بن جانے کے طعنے دیتیں۔ لوگوں کے بیٹوں کی فرمانبرداری، محنت اور کاروبار میں ترقیوں کے قصے سناتیں اور پھر رونا شروع کر دیتیں۔ جب میں وہاں ہوتی تو میں انہیں تسلی

دینے لگتی۔

عمر زرد چہرے کے ساتھ سر جھکا سب سنتا اور پھر باہر نکل جاتا۔ میرا دل کٹنے لگتا۔ میں اسے تو کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ میں سوچتی اور صرف سوچتی۔ اگلی بار پھر کچھ ایسی ہی بات ہوتی، پھر وہی جھگڑا، وہی ہنگامہ اور وہی خاموشی۔

پھر ایک دن پتا چلا کہ عمر نے چچا سے ان کی گریجویٹی کی رقم مانگی ہے تاکہ وہ اپنے کاروبار میں لگا سکے۔ چچا نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ہم لوگوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اب اسے کوئی رقم نہیں دے سکتے۔ آخر اسے پہلے بھی تو بزنس شروع کرنے کے لئے روپے دیے تھے۔ ان سے اس نے کون سا تیر مار لیا جواب وہ اور چاہتا ہے۔ پھر ہماری باقی اولاد بھی ہے، ان کا حق ہم کیوں ماریں۔ جو تھوڑا بہت روپیہ ہے، وہ یہی تو ہے۔ اس سے یاسمین کی شادی کرنی ہے اور انصر کو بھی کوئی کاروبار کروانا ہے۔ ویسے بھی وہ اب شادی شدہ ہے۔ اسے پیسے کی ضرورت ہے تو اپنے سسرال والوں سے مانگے۔ سب لوگ مانگتے ہیں۔ ہم نے اس کا کوئی ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔

خالہ نے میری امی کو بتایا مجھے خالہ کی بات پر خوشی ہوئی تھی۔

اچھا ہے بیوی سے مانگے، اس سے کہے، وہ لا کر دے۔ آخر اور بھی تو لڑکیاں اپنے میکے سے ضرورت کے وقت رقم لا کر دیتی ہیں، وہ کیوں نہیں دے سکتی۔

میں نے خالہ سے کہا تھا۔ خالہ میری بات پر ثناء کے خلاف تقریر کرنے لگی تھیں۔ مجھے ان

کی تقریر میں دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے دلچسپی تھی تو صرف اس بات میں کہ عمر کا ردعمل کیا ہوگا۔ اور اس کی خاموشی آخر کار ٹوٹ ہی گئی تھی۔

خالہ کی اس تجویز پر بلا کا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ اسے ان سے جو جو شکایتیں تھیں، وہ اس دن اس نے کر دی تھیں۔ ان کے روپے کے بارے میں، ان کی باتوں کے بارے میں، ان کی سوچ کے بارے میں، ثناء سے ان کے سلوک کے بارے میں، پچھلے دو اڑھائی سال کا غبار آخر باہر آ ہی گیا تھا۔

جواب میں خالہ بھی چپ نہیں رہی تھیں انہوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ وہاں خوش نہیں ہے تو بیوی کو لے کر چلا جا۔

لیکن وہ نہیں گیا تھا۔ وہ نہیں جا گا یہ بات خالہ بھی جانتی تھیں کہیں جانے کے لیے کہیں رہنے کے لئے روپے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس کیا تھا۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس کا دل خالہ کی طرف سے اور بدگمان ہو گیا ہوگا۔ میں ہر بات پر غور کرتی رہتی تھی پھر اس کے مطابق اپنے مہرے آگے بڑھاتی تھی۔

پھر پتا نہیں کیا ہوا لیکن مجھے لگنے لگا کہ ثناء مجھے بیحد پسند کرتی ہے شاید اسے شک ہو گیا تھا کہ میں خالہ کو کچھ نہ کچھ سکھاتی رہتی ہوں۔ مجھے اس کی ناپسندیدگی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ یہ گھر خالہ کا تھا اس کا نہیں اور مجھے وہ کسی طور بھی وہاں آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ لہرا جاتا تھا۔ وہ جن نظروں سے مجھے دیکھتی تھی وہ بعض دفعہ

مجھے خوفزدہ کر دیتی تھیں۔ بیتاثر، سرد، گہری، سلاخوں کی طرح دل میں اتر جانے والی نظریں، مگر پھر میں نے خود پر قابو پانا سیکھ لیا تھا۔ اس سے ڈر جاؤں گی تو یہ جنگ کیسے جیتوں گی۔ میں ہر بار خود کو یقین کی رسی تھما دیتی۔

پھر خالہ سے پتا چلا کہ ثناء نے اپنے جہیز کی تقریباً ساری قیمتی چیزیں بیچ دی تھیں۔ فریج، ٹی وی، وی سی آر، ڈیک، فرنیچر، تقریباً ہر چیز۔

میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا تو چڑیل کہنے لگی۔ امی آپ نے ہی کہا تھا کہ مجھے اس کی مدد کرنی چاہیے تو میں عمر کی مدد کر رہی ہوں۔ میکے میں کبھی کچھ لینے نہیں جاؤں گی۔ کیونکہ ان پر میرا جتنا حق تھا وہ ادا کر چکے ہیں۔ پھر میں ان سے کچھ مانگ کر اپنے شوہر اور سسرال کو چھوٹا کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں میری ہر چیز عمر کی ہے ان چیزوں پر اس کا حق ہے۔ اسے ضرورت ہے اور میں ان چیزوں کو بیچ کر اس کی ضرورت پوری کر دوں گی۔ یہ چیزیں رشتوں سے بڑھ کر نہیں ہوتیں۔ میرا دل چاہا میں اس کے منہ پر جوتا کھینچ ماروں۔ شوہر کا چیزوں پر حق ہے سسرال والوں کا نہیں۔ یہ پڑھی لکھی لڑکیاں بڑی مکار اور فریبی ہوتی ہیں۔ انہیں شوہروں کو پھانسنے اور بھانسے رکھنے کے سو طریقے ہوتے ہیں۔

خالہ مجھے بتا رہی تھیں اور میرا دل جل رہا تھا۔ اللہ کرے تو مر جا ثناء اللہ کرے تو مر جا۔ میرے دل سے بددعائیں نکل رہی تھیں۔

کتنے خنجر گاڑے گی میرے سینے میں اور کتنے خنجر گاڑے گی۔

اس سے میری نفرت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ عمر سے عشق اتنا ہی بڑھ گیا تھا۔ خالہ نے بتایا تھا کہ اس نے پچاس ہزار کی کوئی کمیٹی ڈالی ہوئی تھی اور اس نے وہ بھی عمر کو دے دی تھی۔

عمر نے جاب چھوڑ دی تھی۔ پتہ نہیں ان دنوں وہ کہاں گھومتا رہتا تھا۔ عجیب حلیہ ہو گیا تھا اس کا۔ اسے کسی چیز کی ہوش ہی نہیں تھی سوا اپنے بزنس کے بعض دفعہ وہ ساری ساری رات باہر رہتا۔

بعض دفعہ وہ دو دو تین تین دن بعد گھر آتا۔ اور پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ مگر اس کا بزنس ایک بار پھر ٹھیک ہونے لگا تھا۔ ایک بار پھر سے اسے آرڈرز ملنے لگے تھے۔ اور ہر نئے آرڈر کی خبر میرے دل کی ایک دھڑکن کو کم کر دیتی۔ روپیہ نہیں آنا چاہیے اس کے پاس روپیہ نہیں آنا چاہیے روپیہ آ گا تو یہ اور ثناء۔۔۔ میں آگے کچھ نہ سوچ پاتی میرا دل ڈوبنے لگتا۔ کیا کروں اللہ میں کیا کروں جو سب کچھ پھر پہلے کی طرح ہو جا۔ خالہ اپنی باتیں کہے جاتیں، میں اپنے منصوبے بناتی رہتی۔ مگر بعض دفعہ منصوبے بھی کام نہیں آتے کچھ بھی کام نہیں آتا بس وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ عمر کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ رات دن اپنے بزنس میں مصروف رہتا تھا اور اس کا بزنس ترقی کرتا جا رہا تھا صرف چار پانچ ماہ میں ہی ان کے گھر میں تبدیلیاں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ خالہ کو پہلے سے دوگنی رقم دینے لگا تھا۔ گھر میں بہت سی چیزوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اور۔۔۔ اور ثناء خوش رہنے لگی تھی۔

اب میں خالہ کے پاس جاتی تو وہاں میرا دم گھٹنے لگتا۔ ہر بگڑی ہوئی چیز صحیح ہونے لگی تھی۔

ثناء اکثر مسکرانے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر چمک ہوتی تھی۔ بعض دفعہ وہ اور عمر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے تو مجھے لگتا جیسے کسی نے مجھے آگ میں پھینک دیا ہے اور اس دن تو میں بیتحاشا روئی تھی جب مجھے خالہ سے پتہ چلا تھا کہ عمر نے ثناء کی جاب چھڑوادی ہے۔

میں خالہ کی بات پر گم صم ہوگئی تھی۔ میرا ہر داؤ ہر وار الٹا ہی پڑتا جارہا تھا۔ اب میرا جی چاہنے لگا میں کسی طرح اسے زہر دے دوں۔ وہ مر جا جب تک وہ زندہ ہے اس سے عمر کی جان چھوٹے گی نہ میری۔ مگر اسے زہر دینے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔

ان دونوں کی شادی کو تین سال سے زیادہ کا عرصہ ہوچکا تھا اور پہلی بار میں نے ثناء میں تبدیلی محسوس کی تھی۔ اب وہ خالہ کی کسی بات کسی نکتہ چینی پر چپ نہیں رہتی تھی، وہ وضاحت کردیا کرتی تھی۔ بڑے پرسکون اور اطمینان انداز میں۔ اور خالہ کو تو بس آگ ہی لگ جاتی تھی۔ ارک وہ شروع سے اسی طرح اپنی پوویشن کلیئر کرتی ہوتی تو شاید خالہ کو یہ سب اتنا برا نہ لگتا مگر اب انہیں لگتا تھا کہ وہ ان سے بحث کرنے لگی ہے۔

میں مانتی ہوں، حالہ کو اس طرح سوچنے پر بھی میں نے ہی مجبور کیا تھا۔ میں حالہ سے کہتی رہتی تھی کہ اب عمر کے پاس روپیہ آنا شروع ہوگیا ہے، اب وہ اسے کبھی نہیں رہنے دے گی اور وہ آپ سے فضول بکواس اس لیے کرتی ہے کیونکہ اسے یہ لگتا ہے کہ آپ لوگ اس کے شوہر کی کمائی کھا رہی ہیں۔ مین خالہ کو اس طرح کی باتوں سے خوب بھڑکا دیا کرتی۔ وہ ثناء سے پہلے سے بھی زیادہ جھگڑا کرنے لگی تھیں اور میں پھر پرسکون ہونے لگی تھی۔ اچھا تھا کہ یہ تماشا اسی

طرح جاری رہتا۔ پر مجھے پتا چلا کہ ثناء میرے آنے پر اعتراض کرنے لگی تھی۔ میں خالہ کے سامنے خوب روئی تھی اور خالہ نے بھی مجھے گلے لگا کر خوب آنسو بہاتے تھے۔

جب تک میں زندہ ہوں، کسی کی مجال نہیں جو تمہیں یہاں آنے سے روک سکے پھر یہ چڑیل کیا کرلے گی۔

انہوں نے مجھے تسلی دی تھی۔ وہ یہ یقین دہانی نہ بھی کراتیں تب بھی میں جانتی تھی کہ مجھے وہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ خالہ کی بدگمانیاں ثناء سے اور بڑھ گئی تھیں۔ عمر بہت مصروف رہتا تھا۔ رات کو بہت لیٹ آتا اور صبح بہت جلدی چلا جاتا۔ خالہ کو اس سے شکوے شکایتوں کا موقع کم ہی ملتا تھا اور یہ غبار پھر وہ ثناء پر برس کر نکالتی تھیں۔

اس شام بھی میں خالہ کے گھر پر تھی جب ثناء کی امی اور ممانی آئی ہوئی تھیں۔ ثناء کی چھوٹی بہن اس کی ممانی کے گھر بیاہی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے صحن میں حالہ کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔ ثناء کچن میں چا بنارہی تھی۔

ثناء کی امی بار بار خود ہی خالہ کو مخاطب کرتیں اور کوئی نہ کوئی بات شروع کردیتیں جبکہ خالہ بڑی بیزاری سے صرف ہوں ہاں کرتی جارہی تھیں۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا لیکن ثناء کی امی کی کسی بات پر خالہ نے ثناء کی برائیاں کرنی شروع کردی تھیں۔ اس کی امی کچھ گنگ سی ہوگئی تھیں۔ ثناء کی ممانی نے صورتحال کو قدرے بہتر کرنے کے لئے ثناء اور اس کی بہنوں کی تعریف کی تھی اور خالہ تو پھر جیسے پھٹ ہی پڑی تھیں۔

ایسا بھی کوئی گن نہیں ہے اس میں۔ وہ ایک بدزبان، بیلحاظ اور بدتمیز لڑکی ہے۔ میری جگہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو اب تک اسے دھکے دے کر گھر سے نکال چکی ہوتی۔ ایک بچہ تک تو وہ پیدا نہ کر سکی اور عمر کی شادی کو ساڑھے تین سال ہونے والے ہیں۔ یہ تو ہمارا حوصلہ ہے ہم پھر بھی اسے یہاں برداشت کر رہے ہیں ورنہ لوگ تو ایک سال میں ایسی عورت کو فارغ کر کے گھر بھیج دیتے ہیں۔ یہ تو عمر ہی کا دماغ خراب ہے جس نے اسے اب تک رکھا ہوا ہے ورنہ اسے اب بھی لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک اچھی لڑکی مل سکتی ہے اسے۔

میں سر جھکا ایک طرف کرسی پر بیٹھی خالہ کی باتیں سن رہی تھی۔ ثناء کی امی اور ممانی بالکل گم صم بیٹھی تھیں۔ وہ ایک لفظ نہیں کہہ رہی تھیں۔ شاید انہیں خالہ سے یہ سب سننے کی توقع ہی نہیں تھی۔ کچھ دیر تک اسی حالت میں بیٹھے رہنے کے بعد وہ کچھ کہے بغیر اٹھیں اور چلی گئی تھیں۔ انہوں نے چا بھی نہیں پی تھی۔

ثناء ان سب باتوں سے بیخبر نہیں رہی تھی۔ اس نے بھی یہ سب کچھ سن لیا تھا۔ اپنی امی اور ممانی کے سامنے وہ بالکل چپ رہی تھی لیکن ان کے جاتے ہی وہ تیر کی طرح خالہ کے پ آس آئی تھی۔

آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ آپ میری ماں سے میرے بارے میں ایسی باتیں کریں۔

اس کی آواز نیچی تھی لیکن لہجہ تلخ تھا۔ پہلی دفعہ میں نے اسے خالہ سے اس انداز میں بولتے سنا تھا۔ خالہ اس کے سوال پر بھڑک اٹھی تھیں۔

جو سچ ہے، وہ تو میں کہوں گی، چاہے کسی کو کڑوا لگے۔ تمہاری ماں سے بھی میں نے سچ ہی کہا ہے۔

تھوڑا سچ اپنے بارے میں بھی کہہ دیتیں۔ اس نے کافی بدتمیزی سے کہا تھا۔ میں نے بڑی دلچسپی سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

تمہیں اگر اتنا خوف تھا تو اپنی ماں کو یہاں بلایا کیوں؟ یہاں جو آ گا، میں اسے تمہاری اصلیت تو ضرور بتاؤں گی۔

کیا اصلیت ہے میری؟ پہلے آپ مجھے تو بتائیں۔

مجھ سے فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس قسم کی زبان درازی تمہاری ماں برداشت کرتی ہوگی۔۔۔ میں نہیں۔

خالہ اس کی بات پر مزید گرم ہو گئی تھیں۔

میری ماں نے مجھے یہی ایک چیز تم نہیں سکھائی جس کی سزا میں آج تک بھگت رہی ہوں۔ میں نے آپ کی بہت عزت کرنے کی کوشش کی تھی مگر کچھ لوگ عزت کے قابل ہوتے ہی نہیں۔

تمہاری ماں عزت کے قابل ہے؟۔

میری ماں کے بارے میں بات نہ کریں۔ وہ دوسروں کی زندگیاں آپ کی طرح اجیرن

نہیں کرتیں۔آپ کی طرح لوگوں کے سامنے اپنی داستانیں لے کرنہیں بیٹھتیں۔

اس کا ہر جملہ میری خوشی میں اضافہ کر رہا تھا۔تو خدا خدا کر کے یہ کفر ٹوٹ ہی گیا تھا۔

کیوں نہ بتاؤں تمہارے بارے میں۔لوگوں سے کیوں نہ کہوں کہ تم بانجھ ہو۔تم نے اس گھر میں بربادی کے علاوہ اور دیا ہی کیا ہے۔خالہ یک دم چیخنے لگی تھیں۔

مجھ سے اس قسم کی بات نہ کریں۔میں اب برداشت نہیں کروں گی۔

برداشت نہیں کر سکتیں تو جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔اپنی یہ منحوس شکل لے کر غائب ہو جاؤ پھر یہاں کھڑی کیوں ہو؟۔

میں کیوں جاؤں یہاں سے،یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔وہ لایا تھا مجھے یہاں پر۔وہ کہے گا تو جاؤں گی۔آپ کی کہنے پر نہیں۔

یہ تمہارے شوہر کا نہیں،میرے شوہر کا گھر ہے،ان کے نام کا ہے۔تمہارے شوہر کی ابھی اتنی اوقات کہاں کہ ایک کمرہ بھی بنا سکے۔

خالہ اب بلند آواز سے چلّا رہی تھی۔میں نے اس موقع پر تھوڑا ڈراما ضروری سمجھا۔،میں نے خالہ کو چپ کروانے کی کوشش کی۔

خالہ آپ چھوڑیں،دفع کریں۔آپ کیوں اپنا دل دکھاتی ہیں۔

میں نے خالہ سے کہا تھا اور وہ میری بات پر بھڑک اٹھی تھی۔

یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔تم کون ہوتی ہو دخل اندازی کرنے والی۔تمہیں کوئی حق ہی نہیں ہے درمیان میں بولنے کا،بلکہ تمہیں اس وقت یہاں ہونا بھی نہیں چاہیے۔تم جاؤ یہاں سے۔یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔تمہارا اور میرا نہیں۔

اس نے بڑے ترش انداز میں اچانک مجھ سے کہا تھا۔مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے یوں جھڑک دے گی۔

یہ میری خالہ ہیں۔میں بھی ان سے بات کر رہی ہون،تم سے نہیں اور تم مجھے اس گھر سے نہیں نکال سکتیں۔یہ تمہارا نہیں میری خالہ کا گھر ہے۔

میں نے بھی اسے اسی طرح جواب دیا تھا۔وہ میری بات پر اور مشتعل ہو گئی تھی۔

فساد کی جڑ تم ہی ہو۔یہ سب باتیں تم ان کے کانوں میں ڈالتی رہی ہو۔اگر تم یہاں نہ آؤ تو اس گھر میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔

اس کی بات سن کر میری آنکھوں میں نمی آ گئی تھی(دل میں میں نے سوچا تھا کمبخت نے صحیح اندازہ لگایا ہے مگر بہت دیر سے)میں نے خالہ جان کی طرف دیکھا اور میرے آنسو ٹپکنے لگے(مجھے اس کے لئے خاصی محنت کرنا پڑی تھی)

خالہ نے یک دم اسے صلواتیں سنانا شروع کر دی تھیں مگر وہ بھی بڑی ثابت قدمی سے اپنے مطالبے پر جمی رہی کہ میں وہاں سے چلی جاؤں۔ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا۔تب ہی اچانک عمر آ گیا تھا۔اس کے لیے یہ منظر یقیناً حیران کن ہوگا۔میری آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے بھی اسے یقیناً پریشان کیا ہوگا۔

کیا ہوا ہے؟۔اس نے کافی حیرانگی سے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں ہوا۔بس میں یہ چاہتی ہوں کہ شمائلہ یہاں سے چلی جا اور دوبارہ یہاں کبھی نہ آ ے۔

وہ اس کی بات پر مزید حیران ہوا اور میں ے اپنے آنسوؤں کی رفتار میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

ثناء کہتی ہے کہ اس گھر میں سارے جھگڑے میری وجہ سے ہوتے ہیں میں فساد کی جڑ ہوں۔ مجھے یہاں سے نکال دینا چاہیے حالانکہ میں تو صرف خالہ کی وجہ سے آتی ہوں۔ثناء کے بجائے میں نے اس سے کہا تھا۔

ثناء یہ سب تم نے کہا ہے؟۔اسے یقین نہیں ایا تھا شاید،اس لیے اس نے ثناء سے پوچھا تھا۔

ہاں، میں نے کہا تھا اور میں پھر کہتی ہوں،اس سے کہو کہ ہمارے گھر سے چلی جا۔وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح بات کر رہی تھی۔

احمقانہ باتیں مت کرو اور کمرے میں جاؤ۔اس نے اسے جھڑک کر کہا مگر ثناء پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

میں یہاں سے نہں جاؤں گی۔کسی قیمت پر یہاں سینہیں جاؤں گی۔ پہلے اسے یہاں سے نکالو پھر میں یہاں سیجاؤں گی۔

وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔اس کی بات پر خالہ نے ایک بار پھر بولنا شروع کر دیا تھا،ثناء بھی چپ نہیں رہی تھی۔خالہ جس قدر بلند آواز میں بول رہی تھیں۔وہ ان سے بھی بلند آواز میں بات کر رہی تھی۔عمر کچھ دیر تک ان دونوں کو چپ کروانے کی کوشش کرتا رہا مگر دونوں میں سے کوئی بھی اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔وہ جھنجھلا گیا اور اس نے بلند آواز میں ثناء سے کہا۔

بس ثناء اب چپ ہو جاؤ۔میں تمہارے منہ سے مزید کچھ نہیں سننا چاہتا۔

میں چپ نہیں کروں گی۔اس نے اب بھی اتنی بلند آواز میں کہا تھا۔اس کے لہجے نے عمر جیسے ٹھنڈے آدمی کو بھی مشتعل کر دیا تھا۔

میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی زبان بند کر لو۔وہ چلّایا تھا۔

کیوں، میں ہی کیوں اپنی زبان بند رکھوں۔تمہاری امی کیوں نہیں؟ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔اتنے سال سے میں کیا کرتی آ رہی ہوں۔خاموشی،خاموشی،بس خاموشی۔کیا میں جانور ہوں۔لیکن اب میں کچھ برداشت نہیں کروں گی۔تم اگر مجھے چپ کروانا چاہتے ہو تو اس گھر میں شمائلہ کا آنا جانا بند کرو۔

شمائلہ یہاں بچپن سے رہی ہے،اب آتی رہے گی۔تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہون چاہیے۔

عمر نے تیز آواز میں اس سے کہا تھا اور خوشی کی ایک لہر میرے اندر دوڑ گئی۔

ہاں۔تم کیوں چاہو گے کہ وہ یہاں آنا بند کرے۔تمہارے لیے ہ تو آتی ہے وہ۔

اس کی بات پر وہ حیران نظر آیا پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

ثناء تمہارا ذہن بیحد گھٹیا ہے اور تمہاری سوچ اتنی ہی گندی ہے۔ میں نے تمہیں بہت غلط سمجھا تھا۔ تم بہت عام سی لڑکی ہو۔ تم میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا کہ میں تم سے شادی کرتا۔

عمر کے کہے گئے ہر لفظ نے مر کانوں میں امرت گھول دیا تھا۔ مجھے ثناء کی آنکھوں میں بلا کی بیقینی نظر آئی۔ شاید اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب عمر نے کہا ہے۔ کچھ دیر اسی طرح گم سم رہنے کے بعد اس نے ایک بار پھر بولنا شروع کر دیا تھا۔

میں گھٹیا نہیں تم گھٹیا ہو، یہ گھٹیا ہے اور میں پھر کہوں گی، بار بار کہوں گی اسے یہاں سے نکالو اس سے کہو کہ یہ یہں سےچلی جا۔

یہ نہیں جا ئی گی۔ تم چلی جاؤ۔ تم نکل جاؤ یہاں سے۔ وہ اس کی بات پر دھاڑا تھا۔

تم مجھے یہاں سے جانے کو کہہ رہے ہو، اس کے لیے؟

وہ میری طرف انگلی اٹھا عجب بیقینی کے عالم میں اس سے کہہ رہی تھی۔

ایک لفظ مت کہنا، اب ایک لفظ مت کہنا۔ بس یہاں سے چلی جاؤ، یہاں سے نکل جاؤ۔

میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ عمر کی آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا۔

میں نہیں جاؤں گی۔ میں کبھی نہیں جاؤں گی۔ مجھے کیسے نکال سکتے ہو تم، کیسے کہہ سکتے ہو، مجھ سے کہ میں یہاں سیجاؤں۔ میں نے تمہارے لیے بہت کچھ کیا ہے میں نے اس گھر کے

لئے بہت کچھ کیا ہے۔ عمر حسن میری وجہ سے تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو۔ میں سہارا نہ دیتی تو تم کہاں ہوتے۔ میں اگر۔۔۔

وہ اس سے کہہ رہی تھی مگر اس نے دانت پیستے ہوا اس کی بات کاٹ دی تھی۔

تم۔۔۔ یہاں۔۔۔۔ سے۔۔۔ جاؤ۔۔۔ تم۔۔۔ میرے۔۔۔ گھر۔۔۔ سے۔۔۔ نکل۔۔۔ جاؤ۔

میں نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔ یہ میرا بھی گھر ہے اور میں تمہاری بیوی ہوں۔ مجھے تم نکال نہیں سکتے۔ اس طرح تو کبھی نہیں نکال۔۔۔

تو پھر ٹھیک ہے میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

عمر نے جو کچھ کہا تھا، اس کی توقع کسی کو نہیں تھی۔ مجھے نہ خالہ کو نہ ثناء کو اور۔۔۔ اور نہ ہی شاید عمر حسن کو۔ سب کچھ غصے میں ہوا تھا مگر سب کچھ ہو گیا تھا۔ مجھے لگا تھا جیسے کسی نے میرے وجود کی آگ کر ٹھنڈے پانی سے بجھا دیا تھا۔

خالہ کے چہرے پر بھی عجیب سا سکون اور ٹھہراؤ تھا۔ ہاں وہ۔۔۔ وہ عمر حسن کو بس دیکھتی جا رہی تھی۔

اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا مگر اس کی آنکھوں میں بیقینی تھی، بلا کی بیقینی۔ اور عمر حسن اب بھی سرخ آنکھوں اور سرخ چہرے کے ساتھ اس کے جانے کا منتظر تھا۔ میں بھی اب وہاں نہیں رہنا چاہتی تھی جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اب اس ڈرامے سے میری exit ہو جانی چاہیے

تھی۔ میں اسی طرح بہتے آنسوؤں کے ساتھ چہرہ چھپاتی تقریباً بھاگتی ہوں اپنے گھر آ گئی تھی۔

بعد میں کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ ہاں خالہ نے بتایا تھا کہ ثناء کچھ کہے اور کچھ لیے بغیر وہاں سے اسی خاموشی سے چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد عمر حسن بھی وہاں سے چلا گیا تھا اور پھر ساری رات واپس نہیں آیا تھا۔

اس نے دوسرے دن تحریری طور پر بھی اسے طلاق بھجوادی تھی۔ اب ان دونوں کے درمیان مصالحت کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن ثناء کے گھر سے کوئی اس کا جہیز کا سامان لینے بھی نہیں آیا تھا۔ عمر ایک دن خود ہی ساری چیزیں اکٹھی کر کے ان کے گھر پہنچا آیا تھا۔ خالہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے ثناء کے ابو سے کہا تھا کہ جو چیزیں وہ بیچ چکا ہے اور جو روپیہ اس نے ثناء سے لیا تھا، وہ انہیں دو تین ماہ تک واپس کر دے گا۔

میرے راستے کی ہر کاوٹ دور ہوتی گئی۔ میں نے اپنے کارڈز بڑی مہارت کے ساتھ کھیلے تھے۔ میں صرف خالہ کے گھر ہی میں نہیں روئی تھی، گھر آ کر بھی میں نے امی کو اسی طرح روتے ہوئے سب کچھ بتایا تھا کہ کس طرح ثناء نے مجھ پر عمر کے ساتھ تعلقات کا الزام لگایا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔

امی اور خالہ نے کوشش کی تھی کہ اس جھگڑے میں کہیں میرا ذکر نہ آئے لیکن میں چاہتی تھی کہ ایسا ہو۔ میں نے اپنی ہر کزن، ہر دوست کو یہ سب بتایا تھا کہ یہ طلاق میری وجہ سے ہونے

والے جھگڑے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میں چاہتی تھی کہ ہر جگہ میرا نام عمر حسن کے نام کے ساتھ آئے۔ ہم دونوں کی بدنامی ہو اور پھر امی مجھے اس سے بیاہ دیں اور شاید اس سب کے بغیر عمر حسن بھی مجھ سے کبھی شادی نہ کرتا۔

ویسا ہی ہوا تھا جیسا میں نیچاہا تھا۔ دو تین ماہ میں پورا محلّہ اور پورا خاندان ہمارے رشتے کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگا تھا۔ میں نے خالہ کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ میں ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ ثناء کی وجہ سے میں بدنام ہو گئی ہوں۔ میری زندگی برباد ہو گئی ہے۔ خالہ بھی مجھ سے شرمندہ تھیں وہ جب بھی آتیں ان کے سامنے میں پہروں روتی ان کے سامنے اپنی قسمت کے دہائیاں دیتی۔ ان کے دل کا بوجھ اور بڑھ جاتا۔ انہوں نے عمر حسن کی طرف سے بھی مجھ سے معافی مانگی تھی، وہ شرمندہ تھا کہ اس کی بیوی کی وجہ سے میرے خلاف لوگوں میں اس قسم باتیں ہو رہی ہیں۔

امی بڑی محنت سے دن رت میرے رشتے کی تلاش میں مصروف تھیں۔ دو تین جگہ انہوں نے میری بات طے کرنے کی کوشش کی اور جب بات طے ہونے لگتی تو میں کسی نہ کسی طرح اس سارے معاملے کی خبر ان لوگوں تک پہنچا دیتی۔ نتیجہ ان کے انکار کی صورت میں ہوتا۔ میرے ماں باپ اس صورت حال سے بیحد پریشان تھے لیکن میں نہیں تھی۔

پھر میں نے امی سے کہہ دیا تھا کہ میں بدنام تو اس کے ساتھ ہو چکی ہوں بہتر ہے کہ وہ وہیں میری شادی کر دیں۔ شروع میں امی کو میری اس بات پر شاک لگا اور انہوں نے صاف

انکار کر دیا تھا لیکن جب میں نے ان سے کہا کہ اگر کہیں اور میری شادی ہو بھی گئی اور بعد میں ان لوگوں کو اس معاملے کے بارے میں پتا چلا تو کیا ہوگا۔ میری زندگی تو ایک بار پھر خراب ہو جا گی۔

امی میری اس بات پر سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ انہوں نے خالہ سے بات کی تھی۔ وہ تو پہلے ہی تیار تھیں عمر حسن شادی پر رضا مند نہیں تھا لیکن میرے ماں باپ اور خالہ اور خالو نے پتا نہیں اسے کیا کیا واسطے دیے، کیا کیا دلیلیں دیں کہ وہ مجبور ہو گیا تھا۔

ثناء کو طلاق دینے کے پورے ساڑھے چار ماہ کے بعد اس سے میری شادی ہو گئی اور شادی بیحد دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ خالہ نے اپنے سارے ارمان نکالے تھے اور ہمارے گھر کی بھی یہ پہلی شادی تھی۔ عمر حسن میرا کیا ہوا تھا، مجھے لگا تھا، دنیا میری ہو گئی ہے۔ کسی نے محبت میں اتنے صبر آزما لمحات نہیں گزارے ہوں گے جتنے میں نے گزارے تھے۔ کسی نے کسی کو پانے کے لیے اتنی دعائیں نہیں کی ہوں گی جتنی میں نے کی تھیں۔ اور میں نے اسے پا ہی لیا تھا۔ وہ شادی پر بجھا بجھا تھا۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس نے شادی کی رات کو مجھ سے معافی مانگی تھی کہ اس کے اور ثناء کے جھگڑے کی وجہ سے مجھے اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔

میرا دل چاہا میں اس سے کہوں کہ مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی جو واحد پریشانی تھی، وہ ساڑھے چار ماہ پہلے جا چکی تھی۔ مگر میں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ میں بیحد خوش تھی۔ بہت مسرور تھی۔ اس کے کمرے میں آنے کے خواب پتا نہیں میں نے کیسے دیکھنے شروع کیے تھے

اور میں وہاں آ ہی گئی تھی۔ اس کی بیوی بن کر۔

لوگوں کا عشق شادی کے بعد ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے، میرا اور بڑھنے لگا تھا۔ میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں خود کو اس کے قدموں کے نیچے بچھا دوں۔ میں اس کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی، وہ اگر دن کو رات کہتا تو میں بھی رات ہی کہتی۔ بس میں یہ چاہتی تھی کہ اسے کبھی بھی ایک لمحے کے بھی ثناء یاد نہ آئے وہ اس کے بارے میں نہ سوچے۔ وہ کہیں میرا اور اس کا موازنہ نہ کرنے لگے مگر پتا نہیں کیا بات تھی۔

میں اس کے معاملے میں جتنی پرجوش ہوتی گئی، وہ اتنا ہی سرد ہوتا گیا۔ کزن کی حیثیت سے وہ مجھ سے جتنی باتیں کیا کرتا تھا، اب اتنی گفتگو بھی نہیں کرتا تھا۔ بس خاموش رہتا تھا۔ اس کی خاموشی سے میرا دل ڈوبنے لگتا۔ عجیب طرح کے وہم میرے دل میں آنے لگتے تھے۔ کہیں یہ ثناء کے بارے میں تو نہیں سوچ رہا، کہیں وہ اسے یاد تو نہیں آ رہی۔ میں سوچتی اور مجھے ہول اٹھنے لگتے۔

میں نے اس گھر سے ثناء کی ہر نشانی ختم کر دی تھی۔ اپنے بیڈروم کی کلر اسکیم بدلوا دی تھی۔ گھر کے ہر کمرے کی ڈیکوریشن بدل دی تھی۔ ہر وہ چیز جس کے بارے میں مجھے علم تھا کہ یہ ثناء خرید کر لائی تھی۔ وہ میں نے اٹھا کر بیچ دی تھی یا پھینک دی تھی۔

میری شادی کو چھ سات ماہ گزرے تھے، تب مجھے پتا چلا تھا کہ ثناء کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ اس خبر نے میرے دل کو ایک عجیب سا سکون دیا تھا، ایک عجیب سے تحفظ اور خوشی کا

احساس ہوا تھا مجھے۔ میں کسی کا بھی برا نہیں چاہتی تھی۔ میں ثناء کا برا بھی کبھی نہیں چاہتی لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ عمر حسن کی زندگی میں آ گئی تھی جو میری زندگی تھا۔ اور اب جب وہ اس کی زندگی سے نکل گئی تھی تو مجھ اس سے کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اس کی بھی کسی اچھی جگہ شادی ہو جا اور وہ بھی خوش رہے اور اب اس کی شادی کی خبر نے مجھے پرسکون کر دیا تھا۔

بہت دنوں تک میں عمر حسن کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتی رہی۔ میں اس کے چہرے پر پتا نہیں کیا ڈھونڈنا چاہتی تھی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ثناء کی شادی سے کہیں وہ پریشان تو نہیں مگر میں اس کے چہرے پر کچھ بھی تلاش نہیں کر پئی وہ ویسا ہی تھی جیسا پہلے تھا۔ افسردہ، خاموش۔ کسی تیسرے احساس کا اظہار نہیں تھا نہ چہرے پر نہ باتوں میں۔ میں مطمئن ہو گئی تھی۔

سب کچھ ٹھیک ہو جا گا۔ سب کچذ ٹھیک ہو جا گا۔ میں خود کو تسلیاں دیتی رہتی۔

جب سے میں عمر کے گھر آئی تھی، اس کا کاروبار پھیلتا ہی گیا تھا۔ روپیہ بارش کی طرح ہم پر برس رہا تھا۔ خالہ ہر ایک سے کہتیں کہ میں ان کے گھر کے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوئی ہوں۔ میری وجہ سے گھر میں روپیہ آ رہا ہے، میری وجہ سے کاروبار ترقی کر رہا ہے۔ میں ان کی باتوں پر بیحد مسرور ہوتی۔

مجھے بیحد فخر ہوتا۔

ہاں یہ سب میری وجہ سے ہی ہے۔ میں یہاں نہیں تھی تو یہاں کیا تھا مگر اب میں ہوں تو جیسے سب کچھ ہے۔

میں دل ہی دل میں سوچتی اور یہ کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ اس کا کاروبار دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ اس کا ثبوت وہ بری بری رقوم تھیں جو وہ مجھے اور خالہ کو خرچ کرنے کے لیے دیا کرتا تھا، کم از کم اس معاملے میں مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔

شادی کے بعد اس نے کبھی مجھے کسی چیز کی تنگی کا شکار نہیں ہونے دیا تھا۔ مجھےشروع سے ہی روپیہ پانی کی طرح بہانے کی عادت تھی اور میری یہ عادت شادی کے بعد بھی قائم رہی، وہ مجھے جتنے روپے دیتا، میں ایک برا شاپنگ پر جاتی اور خرچ کر آتی۔ پھر میں اس سے اور روپے مانگتی اور وہ ایک لفظ کہے بغیر میرا مطالبہ پورا کر دیتا۔

اس نے کبھی مجھ سے نہیں پوچھا تھا کہ میں اتنے روپوں کا کیا کرتی ہوں۔ میں خود ہی اپنا ہر نیا لباس، ہر نیا زیور بڑے شوق سے اسے دکھاتی اور وہ کسی دل چسپی کے بغیر اسے دیکھتا اور میرے پوچھنے پر سرسری انداز میں تعریف کر دیتا۔ میرے لیے یہ بھی کافی تھا۔

میں ہر وقت خود کو سجا سنوار کر رکھتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ عمر حسن کو سادگی پسند ہے۔ اسے زیادہ میک اپ اور بھاری بھر کم بھڑ کیلے لباس پسند نہیں ہین۔ لیکن یہ سب مجھے پسند تھا اور خالہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ میں خوبصورت ہوں اور مجھے سج سنور کر رہنا چاہیے، اس طرح میں اس کے دل میں اپنی جگہ بنا لوں گی۔

عمر نے بھی کبھی مجھے اس سے نہیں روکا نہ ہی اس نے کبھی مجھ سے کہا کہ اسے یہ سب پسند نہیں ہے، بس وہ مجھے سراہتا نہیں تھا مگر میں خود ہی اس سے پوچھتی رہتی کہ میں کیسی لگ رہی ہوں اور وہ کہہ دیتا۔

اچھی لگ رہی ہو۔اور میں اس کی بات پر جیسے ہواؤں میں اڑنے لگتی۔

ان دنوں زندگی بیحد خوبصورت تھی میں ماں بننے والی تھی۔اور مجھے یقین تھا کہ میرا بچہ عمر کو بھی بدل دے گا۔اس کی خاموشی توڑ دے گا۔میرے ہاں شادی کے ڈیڑھ سال بعد بیٹی پیدا ہوئی لیکن عمر کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔وہ بیٹی سے محبت کرتا تھا۔اسے بیتحاشا چیزیں لا کر دیتا تھا۔اسے گود میں بھی اٹھا لیتا تھا لیکن پھر بھی وہ افسردگی ختم نہیں ہوئی تھی جس نے اس کے وجود کو گھیرا ہوا تھا۔مگر اب میں مطمئن تھی۔میری پوزیشن اولاد ہونے کے بعد بہت مضبوط ہو چکی تھی۔

مجھے اب کوئی اس گھر سے ثناء کی طرح نہیں نکال سکتا تھا۔عمر ویسے بھی بہت بہت مصروف رہنے لگا تھا کیونکہ وہ اپنی فیکٹری بنوا رہا تھا۔اس کے پاس فرصت اب بہت کم ہی ہوتی تھی۔

آہستہ آہستہ وقت گزرتا جا رہا تھا۔خالہ سے بھی میرے تعلقات اتنے خوشگوار نہیں رہے تھے۔

کچھ عرصے تک تو انہوں نے میرے بڑے ناز اور لاڈ اٹھائے تھے مگر پھر انہیں میری بہت سی باتوں پر اعتراض ہونے لگا تھا۔

میں بازاروں میں بہت جاتی ہوں، میں گھر کے معاملات میں ان کی رائے نہیں لیتی، میں کہیں جانے سے پہلے اس سے اجازت نہیں لیتی، میں اپنے گھر اتنے چکر کیوں لگاتی ہوں،

میں بہت فضول خرچ ہوں، میں گھر کے کاموں کو ہاتھ نہیں لگاتی، میرے مزاج آسمان پر رہتے ہیں، میں نے عمر کو ان سے بالکل جدا کر دیا ہے۔وہ ان کے پاس آ کر بیٹھتا ہی نہیں۔

کوئی ایک شکایت نہیں تھی انہیں مجھ سے۔انہیں تو بس شروع سے بولنے کی عادت تھی، یہ عادت اب کیسے چھوٹ جاتی مگر میں کوئی ثناء نہیں تھی جو زبان پر ٹیپ لگا کر پھرتی پھر جب میرے شوہر کو میری کسی بات پر اعتراض نہیں تھا تو وہ اعتراض کرنے والی کون ہوتی تھیں۔عمر کو میں نے ان سے جدا نہیں کیا تھا وہ خود انکے پاس نہیں بیٹھتا تھا پھر میں اسے کیسے پکڑ پکڑ کر ان کے پاس بٹھاتی اور یہ اچھا ہی تھا۔ان کے پاس بیٹھ کر اس نے کیا سننا تھا، میری شکایتیں۔

ایک دو بار خالہ سے میرا بہت زیادہ جھگڑا بھی ہوا تھا اور خالہ نے جب عمر سے اس بارے میں شکایت کی تو اس نے بڑی تلخی سے ان سے کہا تھا وہ آئندہ میرے بارے میں اس سے کوئی شکایت کریں نہ ہی وہ ایک لفظ سنے گا۔خالہ اس کی اس بت پر جیسے شاک میں آ گئی تھیں۔مگر مجھے بیحد فخر ہوا تھا خود پر اور عمر پر۔اس کے دل میں میرے لیے کچھ تھا تب ہی تو اس نے میری طرفداری کی تھی۔اس سے میری محبت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ہماری شادی کو تین سال ہو تھے اور پتا نہیں کیوں لیکن یک دم عمر کے رویے میں بہت بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔وہ بیحد پریشان رہنے لگا تھا۔بعض دفعہ رات کو میری انکھ کھلتی تو وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا ہوتا۔میں نے اس کی پریشانی کی وجہ جاننے کی کوشش کی تھی مگر وہ خاموش ہی رہا تھا بلکہ کافی بیرخی کے ساتھ مجھے جھڑک دیتا تھا۔ان دنوں وہ ارم سے بھی کھنچا رہتا

تھا۔میرا خیال تھا کہ شاید وہ کسی کاروباری مسئلے کی وجہ سے پریشان تھا۔مگر اب کاروبار اپنا پھیل چکا تھا کہ میں کم از کم یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ پہلے جیسے حالات لوٹ آئیں گے۔

اس کی یہ کیفیت دو تین ماہ رہی تھی۔وہ زیادہ وقت گھر میں گزارتا نہ ہی مجھ سے بات کرتا اور اگر میں اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑتا۔میں اگر کبھی اس کے کندھے پر بھی ہاتھ رکھ دیتی تو وہ یوں میرا ہاتھ جھٹکتا جیسے میں کوئی غلیظ چیز ہوں۔اس نے ان دو تین ماں میں ایک بار بھی ارم کو نہیں اٹھایا نہ ہی اس کے پاس گیا۔میں اس کے رویے سے بیحد پریشان تھی۔

ان دنوں ایک بار پھر میں نے خلوص نیت سے خدا سے اس کے ٹھیک ہو جانے کی دعا کی تھی اور ایک بار پھر میری دعا قبول ہو گئی تھی۔دو تین ماہ تک اسی طرح رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گیا تھا اور صرف ٹھیک نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بھی لوٹ آئی تھی۔شادی کے تین سال بعد وہ اس افسردگی سے نکل آیا تھا۔ثناء کا طلسم ٹوٹ گیا تھا۔اور مین۔۔میں اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

اب وہ اکثر مجھ سے بات کر لیا کرتا۔کبھی مجھے کوئی گفٹ بھی لا دیتا،کبھی اپنے ساتھ کہیں گھمانے بھی لیجاتا۔ارم سے بھی پہلے سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ہاں خالہ کے ساتھ اس کا رویہ ویسا ہی تھا۔ان کے ساتھ وہ اب بھی کھنچا کھنچا ہی رہتا تھا۔ہر ماہ وہ کھڑے کھڑے انہیں کچھ رقم تھما دیتا۔ان کا حال احوال پوچھتا اور چلا جاتا۔

خالہ بعد میں بولتی رہتیں لیکن کوئی ان کی نہیں سنتا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ہماری شادی کو دس سال گور گئے تھے۔ان دس سالوں میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔میرے ہاں ایک اور بیٹی ہوئی تھی اور اس بیٹی کی پیدائش پر عمر حسن نے کہا تھا کہ اب وہ مزید کوئی بچہ نہیں چاہتا۔مجھے بیٹے کی بیپناہ خواہش تھی اور میں نے بہت اصرار کیا تھا کہ کم از کم ایک بیٹا ضرور ہونا چاہیے مگر اس نے بڑی سختی سے میرے اس مطالبے کو رد کر دیا تھا۔اس نے کہا تھا کہ دو بچے کافی ہیں،وہ ان ہی کی اچھی تعلیم و تربیت کرنا چاہتا ہے۔دو سے زیادہ بچوں کو وہ وقت نہیں دے سکتا۔اور بیٹے اور بیٹیوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا،بس اولاد اچھی ہونی چاہیے۔

مجھے اس کی باتوں پر خوشی اور حوصلہ ہوا تھا کہ اس کے نزدیک بیٹیاں بھی بیٹوں کے برابر ہیں لیکن میرے دل میں پھر بھی بیٹے کا ملال ضرور تھا۔مجھے اس کی کمی محسوس ہوتی تھی۔آخر اتنا بڑا کاروبار کل کون سنبھالتا۔عمر کو اس کی بھی فکر نہیں تھی۔اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اپنے ساتھ بزنس میں لگایا ہوا تھا۔

ار یقیناً وہ سوچتا ہو گا کہ انصر اس کے بعد کاروبار سنبھال سکتا ہے لیکن میں اپنے دل میں کچھ اور منصوبے رکھتی تھی۔اگر بیٹا نہیں تو پھر میرے دامادوں کو ہی یہ کاروبار سنبھالنا چاہیے۔ میں نے اپنے دل میں طے کر رکھا تھا۔بزنس تھا کہ وہ پھیلتا ہی جا رہا تھا۔پہلے ایک فیکٹری تھی اب تین فیکٹریاں تھیں اور عمر بھی اب پاگلوں کیطرح رات دن بزنس میں لگا رہتا۔مہینے میں

ایک بار ضرور یا تو اسے کراچی جانا پڑتا یا پھر بیرون ملک اور ہر دفعہ واپسی پر کوئی نہ کوئی نیا کانٹریکٹ ضرور اس کے ساتھ ہوتا۔

میں اس کے بڑھتے ہو بزنس پر بیپناہ خوش تھی۔ اس لیے میں نے کبھی گھر میں کم وقت دینے پر اس پر اعتراض نہیں کیا۔ وہ سب کچھ میرے گھر کے لیے ہی کر رہا تھا۔ میرے بچوں کے لیے کر رہا تھا۔ میرے لیے کر رہا تھا۔ میں جانتی تھی پھر مجھے اعتراض کیوں ہوتا۔ ان دس سالوں میں وہ اپنی سب سے چھوٹی بہن کی شادی کر چکا تھا۔ انصر کی بھی شادی ہو چکی تھی۔

ادی کے چھٹے سال ایک حادثے میں چچا کا انتقال ہو گیا تھا۔ اگلے ہی سال ہم اپنے نئے گھر میں منتقل ہو گئے تھے۔ خالہ کو ہم ساتھ نہیں لا۔ وہ خود بھی آنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ انصر اور اس کی بیوی کے ساتھ اسی پرانے گھر میں تھیں۔ اب ان کا سارا طنطنہ ختم ہو چکا تھا۔، وہ بیحد خاموش رہنے لگی تھیں اور گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔

سارا دن وہ اپنے کمرے کے ایک کونے میں تسبیح لیے بیٹھی رہتیں۔ اس عمر میں آ کر سب ایسے ہی خاموش ہو جاتے ہیں۔ کسی کو پتا نہیں چلتا کہ اس خاموشی سے پہلے لوگوں نیکیسے کیسے طوفان برپا کیے ہو تھے۔ ساری عمر خالہ نے بھی اپنی زبان سے لوگوں کو نشتر کی طرح کاٹا تھا اور اب انہیں اپنی آخرت کا احساس ہوتا ہوگا۔

میں جب بھی خالہ کو دیکھتی مجھے یہی خیال آتا تھا۔ کبھی کبھی جب میں پچھلے دس سال کے بارے میں سوچنے بیٹھتی تو مجھے خیال آتا کہ عمر حسن کو جیتنے کے لیے میں نے کیسی جنگ لڑی تھی۔ کون سا جتن تھا جو میں نے نہیں کیا تھا۔ کون سا حربہ تھا جو نہیں آزمایا تھا۔ لیکن اس کا حصول میرے لیے خسارے کا سودا ثابت نہیں ہوا تھا۔ مانتی ہوں میں نے کچھ ناجائز کام بھی کیے تھے لیکن محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ عمر حسن میری محبت تھا اور ثناء سے میری جنگ تھی پھر میں نے وہی کیا جو جائز تھا۔ کم از کم میری نظر میں۔ اور کیا ہوا تھا، کس کا گھر تباہ ہوا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔

عمر کا گھر تباہ ہوا مگر اس کی شادی مجھ سے ہو گئی اور آج وہ بیحد خوش ہے۔ کون سی چیز ہے جو اس کے پاس نہیں ہے۔ ثناء کا گھر برباد ہوا مگر اس کی بھی شادی ہو گئی۔ وہ بھی اپنے گھر میں خوش ہو گی۔ میری خواہش عمر حسن تھا۔ مجھے بھی وہ مل گیا۔ میری زندگی بھی برباد ہونے سے بچ گئی۔ بعض دفعہ ایک گھر توڑنے سے بہت سی زندگیاں سنور جاتی ہیں۔ میں اکثر سوچا کرتی۔

زندگی اسی طرح رواں دواں تھی۔ میری شادی کو سترہ سال ہونے والے تھے۔ ہم تین سال پہلے ایک بار پھر پہلے سے بڑے گھر میں شفٹ ہو تھے۔ زندگی بیحد پرسکون تھی۔ میری بیٹیاں بڑی ہو گئی تھیں اور عمر نے انہیں شہر کے بہترین اسکول میں داخل کروایا ہوا تھا۔ وہ ان کی تعلیم کے بارے میں شروع سے ہی بہت دلچسپی لیتا رہا تھا۔ مجھے ان کے بارے میں کبھی بھی زیادہ فکر کرنے نہیں پڑی۔ ویسے بھی مجھے خود نہ تو تعلیم میں کوئی دلچسپی تھی نہ ہی میں اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد کر سکتی تھی کیونکہ میں خود صرف مشکل سے ایف اے ہی کر سکی تھی۔ اس لیے ان کی تعلیم کا مسئلہ میں نے عمر کے لیے ہی چھوڑا تھا۔ وہ خود تو انہیں نہیں پڑھاتا تھا مگر اس نے ان

کے لیے بہت مہنگے اور بہترین ٹیوٹر لگوا رکھے تھے۔اس کے پاس ان کو پڑھانے کے لیے وقت ہوتا بھی کہاں۔

پچھلے سترہ سالوں میں اس نے کاروبار کو اتنا پھیلا لیا تھا کہ اب وہ چاہتا بھی تو اس سے جان نہیں چھڑا سکتا تھا۔انصر بھی بیحد مصروف رہتا تھا۔عمر پہلے کی نسبت اب زیادہ دنوں کے لیے گھر سے غائب رہتا تھا۔ہاں اب بعض دفعہ مجھے اس کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ کبھی بھی کسی فنکشن پر ہمارے ساتھ جانے کے لیے وقت نہیں نکال سکا تھا۔اور نہ ہی وہ کبھی مجھے یا بچوں کو اپنے ساتھ کسی فنکشن میں لے کر گیا تھا بلکہ اس کے دوست بھی کبھی ہمارے گھر نہیں آتے تھے، نہ ان سے ہمارا ملنا جلنا تھا۔جب بھی اسے کبھی کسی فنکشن کی دعوت آتی تو یا تو وہ ہمیں بتاتا ہی نا اور اگر کبھی بتا دیتا اور میں ساتھ جانے کی فرمائش کرتی تو وہ لیجانے سے انکار کر دیتا۔مجھے یہ لگتا کہ شاید اسے پسند نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ اس قسم کی گیٹ ٹو گیدرز میں جاؤں۔اس لیے میں زیادہ اصرار نہیں کرتی تھی۔مگر گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی جب بچے بہت اصرار کرتے تو بھی وہ ہم لوگوں کو کبھی اپنے ساتھ کچھ دنوں کے لیے کسی تفریحی مقام پر نہیں لے جا سکا۔

گرمیوں میں اس کے اپنے بیرون ملک کے ٹورز آ جاتے تھے۔وہ ہمیں کہیں جانے سے نہیں روکتا تھا بلکہ ہمارے جانے کے پورے انتظامات کر دیا کرتا تھا اور انصر کی فیملی کے ساتھ ہمیں کہیں نہ کہیں بھجوا دیا کرتا تھا لیکن پھر بھی میرا دل چاہتا کہ وہ ساتھ ہو۔کچھ دنوں کے لیے

ہم تنہائی میں بیٹھ کر کچھ اچھی باتیں کرتے، جہاں اس کی کوئی مصروفیت آڑے نہ آ۔مگر اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔بعض دفعہ میں جذباتی ہو کر اس سے ایسی بات کہتی تو وہ بڑی غیر دلچسپی سے کہتا۔

دیکھو شائلہ میں بہت پریکٹیکل آدمی ہوں۔یہ رومانس وغیرہ نہیں کر سکتا، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے اور نہ ہی یہ رومانس کی عمر ہے، ہماری بچیاں بڑی ہو رہی ہیں۔اب ہمیں اپنی خواہشات کے بجا ان کی خواہشات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

میرا دل چاہتا، میں اس سے کہوں کہ اس عمر میں کیا۔ہم نے تو کسی بھی عمر میں رومانس نہیں کیا۔اس کے پاس ہمیشہ وقت کم ہوتا تھا۔اس کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام ہوتا تھا، بعض دفعہ میرا دل چاہتا میں اس سے پوچھوں کہ تم نے ثناء سے رومانس کیسے کیا تھا۔کیا تب تم پریکٹیکل آدمی نہیں تھے؟ مگر میں بس چپ ہو جاتی۔

پھر اچانک میری زندگی میں ایک طوفان آ گیا تھا۔میں کبھی اس کی فیکٹری گئی تھی نہ آفس لیکن اس دن شاپنگ سے واپسی پر قائد اعظم روڈ سے گزرتے ہو میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ڈکی میں دوسرا ٹائر بھی نہیں تھا۔مجھے پتا تھا کہ قائد اعظم روڈ پر ہماری فرم کا ہیڈ آفس ہے، میں نے سوچا کہ میں وہاں چلی جاتی ہوں اور اگر عمر وہاں ہوا تو وہ اپنے ڈرائیور کو کہہ کر مجھے گھر ڈراپ کروا دے گا۔میرے ڈرائیور کو بھی اس آفس کا پتا تھا اور جہاں میری گاڑی پنکچر ہوئی تھی، وہاں سے کچھ فاصلے پر ہی وہ آفس تھا۔ڈرائیور مجھے وہاں تک چھوڑ گیا۔

میں آفس کے اندر چلی گئی تھی۔کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی ریسپشنسٹ سے میں نے اپنا تعارف کروایا تھا تو وہ حیرانی سیمیرا منہ دیکھنے لگی تھی۔مجھے اس کی حیرانی سمجھ میں نہیں آئی۔میں نے عمر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ آفس میں نہیں ہین،اس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ آفس کی کسی گاڑی میں مجھے گھر ڈراپ کروانے کا انتظام کرے۔وہ میرے مطالبے پر عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

دیکھیں، یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ مسز عمر نہیں ہیں لیکن آپ کون ہیں، یہ میں نہیں جانتی۔نہ ہی یہ جانتی ہوں کہ آپ غلطی سے یہاں آئی ہیں یا کسی نے آپ کو بھیجا ہے۔مجھے اس کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔

کیا سمجھ رہی ہو تم مجھے؟ کیا خیال ہے تمہارا کہ میں کون ہوں؟

میں مسز عمر کو اچھی طرح جانتی ہوں۔وہ عمر صاحب کو کئی بار لنچ پر لینے آتی ہیں اور ویسے بھی کبھی کبھار آتی رہتی ہیں اور آپ مسز عمر نہیں ہیں۔

اس کی بات مجھے بم کے دھماکے جیسی لگی تھی۔مجھے ایسا لگا تھا جیسے کسی نے مجھے چار سو چالیس وولٹ کا شاک دیا ہو۔

اوخدایا یہ کیا کہہ رہی ہے؟۔میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

عمر تم۔میں آگے کچھ نہیں سوچ سکی۔میرے تاثرات سے بےخبر وہ کہہ رہی تھی۔

اگر آپ مسز عمر ہیں تو آپ کو اپنے گھر کا علم ہونا چاہیے۔آپ اپنے گھر کا ایڈریس بتا

دیں؟

میں نے عجیب سی کیفیت میں اپنے گھر کا ایڈریس دہرا دیا۔اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

لیکن عمر حسن صاب کے گھر کا ایڈریس 104 ڈی بلاک ماڈل ٹاؤن ہے۔گلبرگ میں ان کے بھائی کا گھر ضرور ہے مگر اس کا ایڈریس بھی وہ نہیں جو آپ بتا رہی ہیں۔آپ کوئی بہت بڑی فراڈ۔

میں نے اس کی پوری بات سننا گوارا نہیں کیا تھا۔تیز قدموں سے میں آفس سے باہر نکل آئی تھی۔میں بیحد طیش میں اسجگہ آ غی جہاں میری گاڑی کھڑی تھی۔گاڑی اب بھی وہیں تھی لیکن ڈرائیور نہیں تھا۔شاید وہ پاس کے کسی دکان سے کسی آدمی کو لینے گیا تھا۔میں وہیں کھڑی اس کا انتظار کرتی رہی۔وہ گاڑی کا ٹائر اتار کر پاس ہی کہیں پنکچر لگوانے گیا تھا۔جب وہ آیا تو میں نے اسے گھر کے بجا ماڈل ٹاؤن کا ایڈریس بتا کر وہاں چلنے کے لیے کہا۔

وہ مجھے مطلوبہ گھر کے سامنے لے آیا تھا۔اس گھر کے سامنے میرا گھر ایک جھونپڑی تھا، وہ گھر بلاشبہ خوبصورتی کا شاہکار تھا۔

عمر حسن میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔کبھی نہیں۔

میں نے اپنے دل میں عزم کیا تھا۔میں اس گھر کے اندر چلی گئی تھی میرا وجود جیسے آگ میں جل رہا تھا۔جی چاہ رہا تھا میں اس گھر کو اس کی ہر چیز کو آگ لگا دوں۔پھر وہ بچہ میرے

سامنے آیا تھا اور میرا دل چاہا میں اپنے بال نوچنے لگوں۔ اپنے کپڑے پھاڑ دوں اس بچے کے ٹکڑے کر دوں۔

عمر حسن میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میرا دل لہو ہو رہا تھا۔ میری آنکھوں میں بھی خون اترا ہوا تھا۔

اور پھر میں نے اسے دیکھا تھا مسز عمر کو، اس عورت کو جس نے میرے حق پر ڈاکہ ڈالا تھا، جس نے میرا گھر برباد کر دیا تھا۔ وہ چہرہ شناسا تھا۔ میں نے اسے دیکھا اور یوں لگا جیسے کسی نے میرے جلتے ہو وجود کو ایک برفیلی قبر میں دفن کر دیا ہو۔

ہاں وہ ثناء تھی۔ وہی ثناء جس سے میں نے عمر حسن کو چھینا تھا۔ میں کچھ بول نہ سکی نہ کچھ سوچ سکی۔ اس کی انکھوں میں بیتحاشا سکون تھا۔ مجھے لگا جیسے اس کی آنکھیں مجھ پر ہنس رہی ہوں۔ اس نے اپنے بیٹے کا ہاتھ تھاما اور اندر چلی گئی۔ میں بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

سترہ سال میں پہلی بار میں دل سے روئی تھی اور اتنا روئی تھی کہ شاید کبھی کوئی نہیں روگا۔

میں جہاں سترہ سال پہلے تھی، اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ سترہ سال میں نے خود کو فریب دے دے کر گزارے تھے اور مجھے پتا ہی نہیں کہ عمر حسن سراب ہے۔ نہ وہ سترہ سال پہلے میرا تھا نہ اب میرا ہے۔ میں اپنا کمرہ بند کر کے سارا دن ماتم کرتی رہی تھی اور مجھے اب کرنا ہی کیا تھا۔

وہ رات کو گھر آیا تھا۔ اسے کچھ کہنے، اسے کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ وہ پہلے ہی با علم تھا اور بیحد پر سکون تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ میرے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی۔ نہ پہلے کبھی، نہ آج، نہ ہی آغندہ کروں گا، میں تم سے محبت کر ہی نہیں سکتا۔ تم سے میرا رشتہ محبت کا رشتہ ہے نہ ضرورت کا۔ صرف مجبوری کا رشتہ ہے۔

وہ بڑے سکون سے میرے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔

سترہ سالوں میں پہلی بار وہ اس طرح روبرو مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے سب کچھ کہا تھا، سب کچھ۔ مجھے خواہش تھی کہ وہ کبھی مجھ سے بہت سی باتیں کرے۔ اس نے آج میری وہ خواہش پوری کر دی تھی۔

عمر میں نے تم سے بہت محبت کی تھی۔ تمہارے لیے قربانی دی تھی۔ تمہارا گھر بسایا تھا۔

میں نے اس سے کہا تھا۔ اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بڑی بیرخی سے مسکرایا تھا۔

یہ سب تمہاری خواہش تھا۔ میری نہیں۔ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مجھ سے محبت کرو۔ میں نے نہیں کہا تھا کہ میرا گھر بناؤ اور کن سی قربانی دی ہے تم نے میرے لیے۔ کوئی قربانی نہیں دی تم نے۔ قربانی ثناء نے دی تھی۔ ایک دو نہیں بہت سی اور اب تک دیتی آ رہی ہے۔ یہ وہ تھی جو میرے لیے بڑے گھر کو چھوڑ کر آ گئی تھی۔ یہ وہ تھی جس نے مجھ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ یہ وہی تھی جس نے میری کنگالی کے دنوں میں مجھے اور میرے گھر کو سپورٹ کیا۔ یہ وہ تھی جس نے اپنا پورا زیور میری بہن کی شادی کے لئے بیچ دیا۔ قربانی اگر کسی نے دی تو اس نے دی، تم نے نہیں۔ تمہیں تو سب کچھ ملا۔ بتاؤ کیا نہیں ملا تمہیں؟ شادی کے بعد کون سی خواہش تمہاری پوری نہیں ہوئی؟ میں نے تمہیں سب کچھ دیا۔ سب کچھ تاکہ تم کبھی مجھ پر کوئی احسان نہ جتا

سکو۔مجھ پراگر کسی کے احسان ہیں تو ثناء کے اور ایسا کوئی نہیں ہے جس کے احسان کا بدلہ میں نہ دے سکوں۔

اس نے مجھے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔

شمائلہ میں سب کچھ جان گیا تھا۔تمہاری اور امی کی اصلیت دیر سے سہی مگر میں پہچان گیا تھا۔تم نے پوری پلاننگ سے میرا گھر برباد کیا تھا۔میں تب سوچتا تھا کہ تم صرف امی کے لیے آتی ہو مگر ثناء ٹھیک کہتی تھی،تم امی کے لیے نہیں اس گھر کو برباد کرنے کے لئے آتی تھیں۔ بہت ہنگامہ مچایا تھا تم نے کہ ثناء نے تمہیں بدنام کر دیا ہے۔اب کوئی تم سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہے۔نہیں شمائلہ تمہیں بدنام ہونے کا کوئی دکھ نہیں تھا۔تم بہت خوش تھیں کیونکہ تم یہی چاہتی تھیں کہ تم بدنام ہو اور میں مجبور ہوں کر تم سے شادی کر لوں۔

یہ اللہ کیا ہر انکشاف آج ہی ہوگا۔میں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں مگر وہ آواز بند نہیں ہوئی۔

تمہارا والہانہ پن،تمہاری بیاختیاریاں،تمہارے انداز،تمہاری باتوں ہر چیز نے ثناء کے شبہے کی تصدیق کی تھی۔تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور اس کے لئے جو چاہا تم نے کیا۔ میں جان گیا تھا۔میں تمہیں جان گیا تھا۔تمہارے اندر کیا تھا۔مجھ سے کچھ بھی چھپا نہیں رہا لیکن میرے پاس تم سے جان چھڑانے کا کوئی رستہ نہیں تھا۔مجھے ثناء سے صرف دو دن کے لیے نفرت ہوئی تھی،صرف دو دن کے لیے اور اس دو دن نے میرے اور اس کے درمیان اتنی

دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔جنہیں پار کرنے میں مجھے تین سال لگ گئے۔میرے غصے،میری جلد بازی،میری حماقت نے ڈھائی سال تک اسے ایک جہنم میں رہنے پر مجبور کیا تھا اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا تھا۔تمہاری وجہ سے میں نے اسے طلاق دی۔

تمہاری وجہ سے اسے اس شخص کے ساتھ ڈھائی سال گزارنے پڑے جس نے اسے جسمانی اور ذہنی دونوں طرح سے ٹارچر کیا۔تم نے کبھی سگریٹ سے جسم پر پڑنے والے آبلے دیکھے ہیں؟نہیں کیونکہ می نے کبھی تمہارے جسم کو سگریٹ سے نہیں جلایا۔تمہارے جسم پر کبھی کسی نے ٹھوکریں ماری ہیں؟ نہیں اس کے جسم پر بہت دفعہ ماری گئی ہیں۔تمہیں کبھی میں نے بیلٹوں سے پیٹا ہے؟نہیں مگر اس کا شوہر اسے پیٹتا رہا ہے۔تمہیں میں نے کبھی گالی نہیں دی اسے بہت دی گئی ہیں اور یہ ایک دن دو دن یا ایک ہفتہ دو ہفتہ نہیں ہوا، یہ سب ڈھائی سال ہوا ہے اور یہ سب میری تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔میں اسے طلاق نہ دیتا تو وہ کبھی اس مریض کے ہتھے نہ چڑھتی اور پھر طلاق کے لیبل سے بچنے کے لئے یہ سب چھپاتی نہ پھرتی۔لیکن میں نے اسے طلاق دے دی جو اس نے برداشت کیا ہے وہ تم کبھی نہ کرتیں۔تکلیف اور قربانی کے لفظ تمہیں طرف کہنا ہی آتے ہیں تم ان کا مطلب نہیں جانتیں۔تم جانت یہو، میں نے اسے کہاں دیکھا تھا؟ وہ ایک سرکاری ہاسپل میں اپنے ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی ہڈی اور خون سے لتھڑے ہو چہرے کے ساتھ ایک جمگھٹے میں کھڑی تھی اور مجھے دیکھ کر ان نے اپنے چہرے کو چادر سے چھپا لیا تھا۔تم اس کرب کا

انداز نہیں کرسکتیں جس سے میں گزرا تھا۔

ثناء وہ تھی جسے میں نے کبھی سخت ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور وہ شخص معمولی بات پر اسے جانوروں کی طرح پیٹتا تھا۔ پتا ہے شمائلہ اس دن میرا دل کیا چاہا تھا؟ میرا دل چاہا تھا۔ میں بھی تمہارے جسم پر اسی طرح ٹھوکریں ماروں جیسے وہ اس کے جسم پر مارتا تھا، جلتے ہوسگریٹ کو تمہارے جسم پر مسل کر بجھاؤں تاکہ تمہیں پتا چلے کہ تم نے ثناء کے ساتھ کیا کیا تھا۔

وہ کہتا جا رہا تھا۔ بس کہتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے پر میرے لیے اتنی نفرت تھی کہ میں اسے دیکھ نہیں پائی۔ میں نے اپنے سر کو گھٹنوں میں چھپالیا۔ وہ تب بھی خاموش نہیں ہوا تھا۔

میں اس دن تمہیں طلاق دے دینا چاہتا تھا۔ میں تمہیں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر مجھے ارم کا خیال آ گیا۔ وہ بہت چھوٹی تھی۔ اسے ابھی تمہاری ضرورت تھی۔ میں ایک بار پھر جلد بازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے صبر کیا پر میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں نے اس کے والدین سے مل کر اس شخص سے اس کو طلاق دلوائی اور پھر اس سے شادی کر لی تھی۔

ایک سال تک ہم دونوں خاموش رہے ایک دوسرے سے کہنے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں۔ وہ اگر کبھی روتی تو مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ میں اسے خاموش کروا سکوں۔ اسے کوئی دلاسا دے سکوں۔ ایک مجرم کی طرح میں اس کے سامنے جایا کرتا تھا اور یہ سب تم نے کیا تھا۔ اس سب کی ذمہ دار تم تھیں۔

میں اس کی آواز سے اس کے دل کی کیفیت جان رہی تھی۔ آج جیسے یوم حشر تھا۔

جب ارم کچھ بڑی ہوئی تو میں تمہیں طلاق دے دینا چاہتا تھا۔ میں نے ثناء سے اس بارے میں بات کی تھی اور اس نے سختی سے مجھے مجبور کیا تھا میں ایسا نہ کروں، وہ نہیں چاہتی تھی کہ تمہاری بیٹی کی زندگی برباد ہو۔ تمہارے ساتھ وہ کچھ ہو جو اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے مجھےتمہارے ساتھ شیئر کرنا قبول کر لیا تھا۔ پر ایسے بہت سے مواقع آئے تھے جب میں تم سے جان چھڑانا چاہتا تھا، میں صرف ایک گھر چاہتا تھا، ثناء کے ساتھ۔ دو گھروں سے میں تنگ آ گیا تھا۔ لیکن ہر بار وہ نہیں مانی۔ ہر بار وہ مجھے مجبور کر دیتی کہ میں تمہیں طلاق نہ دوں۔

اس نے ایک ایک کر کے بیشمار بھالے میرے سینے میں اتار دیے تھے۔

تو تمہارے ساتھ پچھلے سترہ سال میں نے بھیک میں ملی خیرات کے طور پر گزارے ہیں۔ میں اپنے سر کو اٹھا نہیں پا رہی تھی۔

میرے اور ثناء کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ میں تم سے اسی لیے اور کوئی اولاد نہیں چاہتا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا کوئی بیٹا ہو اور ثناء کے بیٹوں کے ساتھ میرے کاروبار کو شیئر کرے۔ میرا سب کچھ ثناء اور اس کی اولاد کا ہے اور میں چاہتا تھا کہ میرا نام اور میری نسل ثناء سے ہی چلے۔ تم پوچھتی تھیں نا کہ اتنے بڑے کاروبار کو کون سنبھالے گا۔ میرے اور ثناء کے بیٹے سنبھال لیں گے۔ میں اپنا تقریبا سارا کاروبار اور جائیداد ان چاروں کے نام کر چکا ہوں۔ تمہارے لیے میں نے یہ گھر رکھا ہے اور ارم اور اقصی کے لیے بنک میں کچھ روپیہ ڈپازٹ

کرواچکا ہوں،اس کے علاوہ اور کسی چیز پر تم لوگوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔اس شہر میں مسز عمر کے نام سے اگر کوئی جانا جاتا ہے تو وہ ثناء ہے۔تم اگر اپنا تعارف اس حوالے سے کراؤ گی تو لوگوں کے مذاق کا نشانہ بنو گی۔اس لیے آئندہ کبھی اس حوالے سے اپنا تعارف مت کروانا، نہ ہی کبھی دوبارہ میرے گھر جانا۔تم خاندانی بیوی ہو مگر دوسری بیوی، ہمیشہ دوسری ہی رہو گی۔تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تم شاپنگ کرتی رہو۔خاندان سے میل ملاپ رکھو اور وہاں میرے حوالے سے عزت حاصل کرتی رہو۔مگر ثناء میری پہلی بیوی ہے اور

جہاں جہاں میں جاؤں گا، وہاں میری بیوی کی حثیت سے وہی جا گی اور اسے ہی عزت ملے گی۔تمہیں نہیں۔

میں نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔وہ آج بھی اتنا ہی دور نظر آ رہا تھا جتنا سترہ سال پہلے تھا۔

تم نے اتنے سال مجھ سے یہ سب چھپایا کیوں؟ میں نے اس سے پوچھا تھا۔

ہاں،صرف تم سے میں نے چھپایا تھا اور کسی سے نہیں۔امی اور انصر دونوں ثناء سے میری شادی سے واقف ہیں۔تمہیں بتانے کی میں نے کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔

میں اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی۔میرے قدموں تلے سے زمین کھینچنے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔وہ بیحد مطمئین بیحد پرسکون تھا۔س نے میرے پاس کچھ بھی رہنے نہیں دیا تھا اور میں پچھلے سترہ سالوں میں یہ سوچ کر خوش ہوتی رہی تھی کہ میرے پاس سب کچذ ہے اور یہ سب کچھ

ہمیشہ کے لیے ہے،مگر یہ سب فریب تھا۔ثناء کا آسیب ہمیشہ میری زندگی میں رہا تھا اور اس آسیب نے ایک بار پھر میرے وجود کو نگل لیا تھا۔

عمر میں تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔تم مجھے طلاق دے دو، اتنا بڑا دھوکا کھا کر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

میں نے پتا نہیں یہ کہنے کا حوصلہ کہاں سے پیدا کیا تھا۔

مجھے تمہیں طلاق دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ خوشی ہو گی لیکن تم اچھی طرح سے اس بات کے بارے میں سوچ لو اور پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔میں ارم اور اقصیٰ کو تم سے نہیں چھینوں گا۔وہ تمہارے پاس ہی رہیں گی۔میں انہیں شٹل کاک بنانا نہیں چاہتا لیکن تم یہ ضرور سوچ لو کہ تمہارے اس فیصلے سے ان دونوں کے ذہن اور زندگی پر کیا اثر ہوگا۔تمہیں کچھ سالوں کے بعد ان دونوں کی شادی بھی کرنی ہے اور کسی مطلقہ کی بیٹی کو بیاہ کر لانے سے پہلے لوگ ہزار بار سوچتے ہیں پھر بھی اگر تم طلاق ہی چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔میں تمہیں طلاق دیدوں گا لیکن بہتر ہے تم اچھی طرح اس بارے میں سوچ لو۔

وہ یہ کہہ کر بڑی لاپروائی سے اپنا بریف کیس اٹھا کر چلا گیا اور میں تب سے اس کرس پر جھول رہی ہوں۔چیزوں کو بنتے ہو کتنے مہینے کتنے سال لگ جاتے ہیں مگر جب وہ ختم ہونے لگتی ہیں تو پھر سب کچھ لحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔میں کرسی پر جھولتے ہو سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے مرر میں اپنے وجود کو دیکھ رہی ہوں۔مرر مجھے سبز کپڑوں میں ملبوس تراشیدہ بالوں والی ایک

مرہی مائل چالیس سالہ عورت کا عکس دکھا رہا ہے جس کا ماضی ایک فریب تھا اور مستقبل ایک خواب رہا ہے۔ جس کا خوبصورت چہرہ اس مرد کے دل کو نہیں جیت پایا تھا جسے اس نے سب سے زیادہ چاہا تھا۔

میں یہ نہیں مانتی کہ مرد کے لیے قربانی دی جا اور وہ اسے بھول جا۔ اس کا کوئی صلہ نہ دے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بندہ جو آپ کا شوہر ہے آپ سے محبت کرتا ہے، آپ اس کے لیے کچھ قربانی کریں تو وہ اسے جھٹلا دے۔ اس کے نزدیک اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو اور پھر ہم دونوں میں تو ذہنی ہم آہنگی ہے۔ ہمیں تو اپنی بات ایک دوسرے تک پہنچانے کے لیے بعض دفعہ لفظوں کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ کم از کم عمر حسن وہ واحد مرد ہے جس کے بارے میں میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ احسان فراموش نہیں ہے۔

بہت سال پہلے ایک بار ثناء نے اپنی کسی دوست سے کہا تھا۔ اس کی آواز میرے کانوں میں لہرا رہی تھی۔ ہاں عمر حسن، احسان فراموش نہیں تھا۔ اس میں وہ خوبیاں تھیں جو عام مردوں میں نہیں تھیں اور ان خوبیوں کی وجہ سے ہی میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے اس کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش کی تھی۔

ہم نامکمل لوگ مکمل لوگوں کے ساتھ کبھی نہیں چل سکتے، کبھی ہمارا سانس پھول جاتا ہے اور کبھی وہ ہمیں بہت پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

میرے ساتھ یہ دونوں باتیں ہوئی تھیں۔ مجھے اپنے کسی فعل پر کوئی شرمندگی، کوئی افسوس

نہیں ہے۔ میں نے جو ٹھیک سمجھا، اسے حاصل کرنے کے لیے کیا۔ میں انسان تھی کوئی فرشتہ نہیں اور پھر سب یہی کرتے ہیں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اگر میری وجہ سے ثناء کو تکلیفیں اٹھانی پڑیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ یہ سب اس کی قسمت میں تھا پھر عمر حسن مجھے ان سب چیزوں کا ذمہ دار کیسے ٹھہرا سکتا ہے۔ میں نے سترہ سال کے دوران سب کچھ پالیا تھا۔ دولت، گھر، بچے، سکون، میں نے سوچا تھا، اب دنیا میں کچھ اور پانے اور حاصل کرنے کے لیے باقی نہیں رہا، مگر مجھے یہ پتا نہیں چلا تھا کہ عمر حسن، ہاں بس عمر حسن میرا نہیں ہوا۔ میں نے اس کو اتنا چاہا تھا کہ اس کے عشق میں اپنے وجود کو آگ بنا ڈالا تھا اس آگ نے کتنوں کو جلایا۔ مجھے کبھی اس کا احساس نہیں ہوا،

اب یہاں اس کمرے میں کرسی پر جھولتے ہو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ اس سے طلاق لے لوں تو اس عمر میں اپنے چہرے، اپنے ماتھے پر یہ داغ کیسے سجا لوں۔ اپنی بیٹیوں کو کیا بتاؤں کہ میں عمر حسن سے طلاق کیوں لے رہی ہوں۔ اپنے ماضی کے کارنامے کو ان کے سامنے کیسے رکھ دوں۔ وہ تو پھر بہت سے سوال کریں گی، میرے بارے میں، عمر حسن کے بارے میں اور ثناء کے بارے میں اور میں انہیں کوئی جواب نہیں دے سکتی اور اگر انہیں مطمئن کر بھی دوں تو ان لوگوں کو کیسے مطمئن کروں گی جو میری بیٹیوں کا رشتہ لینے آئیں گے اور اگر میں طلاق نہ لوں تو زندہ کیسے رہوں؟ پچھلے سترہ سال جس فریب، جس سراب کے ساتھ رہی ہوں، اس کے ساتھ آگے کیسے رہوں۔ اس کی بےاعتبار نظروں اور اجنبی لہجے کو کیسے

برداشت کروں جو میرا خون کر دیتے ہیں اور یہ کیسے برداشت کروں کہ وہ اسی شہر میں ایک گھر میں اس عورت کے پاس بھی جاتا ہے جسے وہ سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ یہ کیسے برداشت کروں کہ میرے لیے اس کی نظروں میں نفرت اور اس کے لیے محبت ہو۔ میں دوراہے پر کھڑی ہوں اور جانتی ہوں کہ منزل دونوں ہی رستوں پر نہیں ہے پھر بھی مجھے ایک رستہ چننا ہے اور میں انتخاب نہیں کر پا رہی۔

اور اب میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ میں کون سا رستہ چنوں۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے اچھا کیا یا برا۔ مجھ پر نیکی اور بدی کا فتوی جاری مت کیجیے۔ میں سب جانتی ہوں، صرف یہ نہیں جانتی کہ مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہیے اس لیے آپ سے آپ کی مدد چاہتی ہوں۔ شاید آپ مجھے اس برزخ سے نکال لیں جس میں، میں اپنی مرضی سے گری ہوں۔ مجھے بتائیں اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟

اختتام--------------------------- The End